کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، ارریہ اور دیناجپور کا

ماضی اور حال، ایک عمومی جائزہ

سیمانچل: کل اور آج

مصنف

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی



ناشر

سیمانچل اکیڈمی بائسی پورنیہ

کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، ارریہ، دیناج پور کا
ماضی اور حال: ایک عمومی جائزہ

سیمانچل: کل اور آج

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی

سیمانچل اکیڈمی
بائسی، پورنیہ

کتاب : سیمانچل: کل اور آج

جائزہ نگار : ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی

پروف : مولانا منظر محسن پورنوی دھلی ۲۵

صفحات : ۳۲

ناشر : سیمانچل اکیڈمی، بائسی، کشن گنج

اہتمام : برکات رضا فاؤنڈیشن، ممبئی

اشاعت : جنوری ۲۰۱۳ء

تعداد : ۲۱۰۰

قیمت : ۲۵/روپے

رابطہ : 09869328511 / 8433327267

Email : ghulamjabir@yahoo.com

ملنے کے پتے

☆ نوری بک ڈپو، بائسی، پورنیہ

☆ رضا بک ڈپو، سالماری، کٹیہار

☆ سیمانچل ایجوکیشن ٹرسٹ، کشن گنج

☆ بک سروس، گرلس اسکول روڈ، کٹیہار

انتساب

☆ صوفیاءِ پورنیہ کے نام
جن کے فیضان سے پورنیہ ضوفشاں ہے

☆ علمائے پورنیہ کے نام
جن کی کاوشوں سے پورنیہ درخشاں ہے

☆ شعرائے پورنیہ کے نام
جن کی شاعری کی مہک سے پورنیہ مہک رہا ہے

☆ دینی وعصری طلبہ کے نام
جن کے دلوں میں کچھ کرگزرنے کی امنگیں مچل رہی ہیں

☆ گمگشتگانِ راہ ہدایت کے نام
جن کی واپسی کا انتظار آج بھی پورنیہ کو ہے

☆ خفتگانِ پورنیہ کے نام
جن کو جاگنے کی صدا پورنیہ لگا رہا ہے

☆ کسان و کوچوان اور ناداروں نہتوں کے نام
جن کے دکھوں سے دردمند دل تڑپ رہا ہے

☆ یتیموں، بیواؤں، اپاہجوں، لاچاروں کے نام
جن کی سسکیاں ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں

☆ غریب جوان بچیوں کے نام
جن کی جوانیاں غیرتِ ملّی کو آواز دے رہی ہیں

دعوتِ عمل

☆ مشائخِ پورنیہ آگے آئیں
اپنی خانقاہوں سے نکل کر رسمِ شبیری ادا کریں

☆ علمائے پورنیہ آگے آئیں
اپنی درسگاہوں سے کردارِ رازی وغزالی کا ثبوت دیں

☆ شعرائے پورنیہ آگے آئیں
مسائلِ پورنیہ پر بھرپور نظمیں لکھ کر سیاست دانوں کو جگائیں

☆ دانشورانِ پورنیہ آگے آئیں
اہلِ پورنیہ کے لیے راست رخ، صحیح خطوط متعین کریں

☆ زندہ دلانِ پورنیہ آگے آئیں
اہلِ پورنیہ کو ایک نئے انقلاب سے آشنا کردیں

☆ خانوادۂ عظمتیہ کے چشم وچراغ
سید معین الدین مرحوم کے عملی جانشین

دبنگ مردِ دلیر، مردِ آہن

سید محمود اشرف

کو میں آواز دوں گا کہ وہ آگے آئیں اور ایک مضبوط ومؤثر نظام کردار وعمل سیمانچل کے گاؤں گاؤں بستی بستی میں برپا کردیں۔ فی الوقت یہ کام سید محمود اشرف ہی کر سکتے ہیں۔ جب کوئی جیالا سامنے آئے گا، تو پھر اسے آواز دی جائے گی۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے　　مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

قاشہائے قلب
پارہ ہائے دل
نواہائے بلبل ہزار داستاں

- ☆ جہانِ فکر و تدبیر
- ☆ تعارف
- ☆ جغرافیہ
- ☆ اسلام کی آمد
- ☆ مسلم تناسب
- ☆ تعلیمی تناسب
- ☆ پورنیہ میں فارسی
- ☆ پورنیہ میں اردو
- ☆ مذہبی ادب
- ☆ اقتصادی پہلو
- ☆ آمد اسلام کی کہانی
- ☆ مذہبی منظر نامہ
- ☆ پورنیہ میں شیعیت
- ☆ پورنیہ میں وہابیت
- ☆ ایسا کیوں ہوا؟
- ☆ دینی جلسے
- ☆ پیروں کے دورے
- ☆ عصری تعلیم یافتہ افراد
- ☆ اسلام کا شورائی نظام
- ☆ جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ

جہانِ فکر و تدبیر

برسوں سے ایک خاکہ تھا۔ جو ذہن کے ہر تار کو چھیڑ رہا تھا۔ ذہن ہی کے کینوس پر اس کی تصویر بن رہی تھی اور رنگ آمیزی ہو رہی تھی۔ فکر میں تھا کہ کب یہ خاکہ ذہن سے زمین پر اترے اور اس میں قوس وقزح کا رنگ بھر دیا جائے۔ وقت آ گیا۔ یہ نومبر ۲۰۱۲ء کی پہلی تاریخ تھی۔ میں بریلی شریف میں تھا۔ اہلِ بریلی کو کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، دیناج پور کی ہمہ جہت صورت حالات سے آگاہ کیا اور گزارش کی کہ تاج الشریعہ حضور ازہری میاں کا وہاں ایک تاریخ ساز دورہ کرایا جائے۔ جو دولہا کی طرح اتارا جائے گا۔ بادشاہ کی طرح استقبال کیا جائے گا۔ گن فائرنگ کر کے اور گولے داغ کر سلامی دی جائے گی۔ ہیلی کوپٹر سے سفر کرایا جائے گا۔ اس کے ہمہ گیر اثرات مرتب ہوں گے۔

خدا کا شکر کہ اجازت مل گئی۔ رضا مندی سے تیاری کی کمر کس لی۔ نومبر کے دوسرے تیسرے ہفتہ میں کٹیہار شہر، سالماری، پورنیہ شہر، بائسی، کشن گنج شہر، ٹھاکر گنج وغیرہ میں کئی میٹنگیں ہوئیں۔ ہر طرف اور ہر طرح سے اس پروگرام کا خیر مقدم کیا گیا۔ طوفانی دورہ کے بعد جب میں لوٹ کر بمبئی آیا۔ تو سرور وخمار سے سر رقصاں تھا۔ ممکنہ کامیابی کے تصور سے ملک میں پھیلے دردمندوں کو آگاہ کیا۔ چاروں طرف سے مبارکباد ملنے لگی۔ اس دوران بعض احباب کا اصرار ہوا کہ 'کاملانِ پورنیہ' کی دوسری جلد اس موقع سے چھاپی اور اجرا کرایا جائے۔ دوسری کتاب 'حیات قطب پورنیہ' کی بھی رونمائی کرائی جائے۔ ایک ذہن، ہزار جوکھم، کیا کریں، کیا نہ کریں۔ بہر کیف احباب کے اصرار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور یہ دوسری جلد، جو پہلے سے تیار تھی۔ اس کا مقدمہ لکھنے بیٹھ گیا اور جب قلم چلا۔ تو چلتا ہی چلا گیا۔ مضمون پھیل گیا۔ مگر باتیں نئی اور کارآمد تحریر میں آ گئیں۔ پھر خیال میں آیا کہ اسے 'سیمانچل: کل اور آج' کے عنوان سے کتابی شکل میں مجوزہ پروگرام سے پہلے شائع کر دیا جائے۔ تاکہ سیمانچل اور باہر پھیلے ہوئے لوگوں کی ذہن سازی ہو سکے۔ واضح رہے کہ کٹیہار، پورنیہ، ارریہ، کشن گنج ان چاروں اضلاع کا ایک مشترکہ نام سیمانچل ہے۔ ہم نے اس میں دیناج پور کو بھی شامل کر لیا ہے۔ تعارف، مسائل، تجزیہ اور حل کی تلاش پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ اس میں ہم نے سماج کے مختلف طبقات پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ کوئی طبقہ ناراض وناخوش نہ ہو۔ دردِ ملت اور فکرِ امت کے

ہاتھوں لہجہ کبھی تیکھا ہو جاتا ہے۔ اس تیکھے پن کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما ہے۔ ہر دردمند باشعور شخص سمجھ سکتا ہے۔ پھر بھی اگر کسی کو کھل جائے۔ تو میں پیشگی دست بستہ معذرت خواہ ہوں۔

یاد رکھئے۔ میرا طریق فقیری ہے۔ امیری نہیں، خاکساری ہے۔ رعونت نہیں۔ خلوص ہے، فلوس نہیں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یا کر رہا ہوں۔ یہ کوئی تیسری قوت ہے جو مجھ سے کہلوا رہی ہے، کروا رہی ہے۔ اسے آپ محض القا و الہام کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ ورنہ میں کیا، میری بساط کیا۔ ایک مشتِ خاک، مجموعۂ استخوان اور شرارۂ کردار وعمل کا پیکر۔ یہ سوچ، یہ فکر لاجواب ہے۔ اس کی قدر کیجئے۔ یہ نوحہ، یہ مرثیہ بغور سنئے۔ یہ تڑپ، یہ کرب محسوس کیجئے۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے۔ اسے پڑھئے۔ یہ غبارِ افق ہے۔ اسے سمجھئے۔ یہ آوارہ بادل برسنا چاہتا ہے۔ اسے قید کیجئے۔ آنکھیں کھولیے۔ نیرنگیٔ عالم دیکھئے۔ لب وا کیجئے۔ میری پکار پر لبیک کہیے۔ میری دعا پر آمین کہیے۔

خدارا، خدارا، ایسا نہ ہو کہ میں گنجوں کے شہر میں کنگھا بیچ رہا ہوں، اندھوں کے بازار میں شیشہ سجا رہا ہوں۔ بہروں کی بستی میں شہنائی بجا رہا ہوں۔ سنگ و آہن کی سل پر شبنم کی نمی تلاش کر رہا ہوں۔ خدا نہ کرے، آپ سنگ وخشت ہوں۔ اگر ہوں بھی تو برف کی طرح پگھل جائیے۔ نسیمِ صبح کا جھونکا بن جائیے۔ دریا کی طرح پھیل جائیے۔ زمین کی طرح تواضع کا پیکر ہو جائیے۔ صلاح الدین ایوبی بن جائیے۔ محمد بن قاسم، طارق بن ولید بن جائیے۔ ملت وامت کی ڈوبتی کشتی پار لگائیے، ساحل پہ اُتاریئے۔ سنگ سنگ آیئے، ایک رنگ میں رنگ جائیے۔ پیچھے پیچھے نہیں، آگے آگے چلیے۔ غیرتِ ملی کا پرچم ہاتھ میں لیجئے۔ شوکتِ اسلامی کا ترانہ گائیے۔ دریا، صحرا، دشت وکوہسار، افق افق، گگن گگن میں بڑھتے چلیے۔ پھر ذرا پانچ دس برسوں میں دیکھ لیجئے، تعمیر وترقی، فتح وکامرانی اور انقلاب وتبدیلی کے کیسے کیسے قلعے بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔

خاکسار
غلام جابر شمس پورنوی
مقیم، بمبئی
۱۸؍دسمبر ۲۰۱۲

تعارف : پورنیہ کوئی نوآبادیاتی کالونی نہیں ہے۔ یہ ست جگ سے آباد ہے۔ جو انسانی آبادی کا سب سے پہلا دور ہے۔ پورنیہ کبھی حضرت پورنیہ تھا۔ سرکار پورنیہ تھا۔ کنٹری کہلاتا تھا۔ جنت آباد اور جنت البلاد تھا۔ اس کا ماضی نہایت روشن تھا۔ خود کفیل و خوش حال تھا۔ حال بھی تابناک ہے اور مستقبل تو حد درجہ درخشاں معلوم ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے، اہلِ پورنیہ ان رموز کو جانیں یا نہ جانیں، کوہِ نور کبھی بے نور ہو جاتا ہے اور کنکر پتھر چمکنے لگتے ہیں۔ کیوں کہ پڑے پارس، بیچے تیل والی کہاوت بھی تو غلط نہیں ہے۔

جغرافیائی رقبہ: یہ رقبہ زمانی ہو یا مکانی...... دونوں وسیع زماں و مکاں پر پھیلا ہوا ہے۔ زمان ست جگ سے جڑا ہوا ہے۔ تو مکان بھی کئی سرحدوں سے ٹچ ہے۔ پچھم میں کوسی کے کنارے سہرسہ اور مدھے پورہ ہے، تو جنوب میں گنگا کے کنارے بھاگل پور اور مرشدآباد ہے۔ پورب میں ناگر ندی ہے، جو ہند اور حالیہ ملک بنگلہ دیش کو تقسیم کرتی ہے، اور اتر میں نیپال کا ضلع مورنگ ہے۔ ۱۸۱۳ء سے پہلے بنگال کے ضلع مالدہ کا ایک وسیع ترین حصہ پورنیہ تھا۔ جس میں کلیا چک، بھولا ہاٹ، بھیم بھار، گور، ندیا، پنڈوہ شریف وغیرہ شامل تھا۔ ۱۹۵۶ء سے قبل دیناج پور پورنیہ ہی کے حدود میں تھا۔ ۱۹۷۲ء سے قبل کٹیہار پورنیہ ہی کا اٹوٹ انگ تھا۔ ۱۹۹۲ء سے قبل اررریہ اسی پورنیہ کا عضو تھا اور کشن گنج اسی پورنیہ کا جز وتھا۔

اسلام کی آمد : ہندوستان میں اسلام سیاحت کرنے والے قافلوں اور تجارت کرنے والی جماعتوں کے ذریعے آیا۔ یہ قافلے اور جماعتیں ساحلی علاقوں میں پہلے پہنچیں۔ قدیم زمانہ میں یا تو زمینی راستے تھے یا بحری راستے، قدیم سے کلکتہ ایک تجارتی مرکزی شہر تھا۔ یہاں بندرگاہ بھی تھی۔ مسلم سیاح و تجار اور صوفیا یہاں اول اول وارد ہوئے۔ انہی کے ذریعہ بنگال و بہار میں اسلام عام ہوا پانچویں صدی ہجری کی آخری دہائیوں سے ہی پورنیہ میں اسلام کا سراغ ملتا ہے۔ جو حضور غریب نواز کی آمد سے بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ ست جگ میں بھی پورنیہ میں موحدین موجود تھے۔ جو حضرت حام بن نوح کی اولاد میں تھے۔

مسلم تناسب : مسلم آبادی کے لحاظ سے ملک کی تمام ریاستوں میں ریاست بہار سب سے دوسری بڑی آبادی ہے۔ ریاست کی مسلم آبادی کا اکیس فی صد حصہ صرف پورنیہ کمشنری میں

آباد ہے۔ پورنیہ کمشنری کے چاروں اضلاع کٹیہار، کشن گنج، ارریہ بشمول پورنیہ میں تقریباً چار ہزار گاؤں ہیں۔دس بارہ شہر اور قصبات ہیں۔۱۹۹۱ء میں جو مردم شماری ہوئی تھی۔اس کے مطابق پورنیہ میں کوئی سات لاکھ، کٹیہار میں ساڑھے سات لاکھ، کشن گنج میں ساڑھے سات لاکھ سے زائد اور ارریہ میں ساڑھے چھ لاکھ سے زائد مسلمان تھے۔مجموعی تعداد اس وقت تیس لاکھ سے کم نہیں رہی ہوگی۔کیوں کہ مردم شماری زیادہ تر قیاسی و اکثریتی ہی ہوتی ہے۔جس میں بہت کچھ شمار میں چھوٹ بھی جاتا ہے۔آج یہ آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے۔کیوں کہ ۱۹۹۱ء میں جو بچّے تھے۔اب وہ جوان ہو چکے ہیں۔لہٰذا قیاس ہے کہ پورنیہ کمشنری کی مسلم آبادی چالیس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہوگی۔

اتر دیناج پور، جو ۱۹۵۶ء سے قبل پورنیہ کا عضو تھا۔مقامی بولی اور تہذیبی اعتبار سے آج بھی پورنیہ سے جڑا ہوا ہے۔مقامی بولی میں چھے چھو کے استعمال سے بنگلہ سے کسی کو جوڑا نہیں جاسکتا۔گو کہ وہ رقبہ کے اعتبار سے آج بنگال کا ایک ضلع ہے، لیکن چھے چھو کا استعمال جس طرح ہماری مقامی بولی، سرجاپوری یا کشنگنجیا بولی میں ہے۔اسی طرح اس کا استعمال گجراتی زبان یا بولی میں ہے۔تو کیا اس برادری کو گجرات سے جوڑا جاسکتا ہے؟ اتر دیناج پور میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔مقامی بولی، لباس، معاشرت، تمدن اور ایمان و عقیدہ کا اگر لحاظ کیا جائے۔تو یہ تعداد اور بڑھ جائے گی۔جو پچاس لاکھ سے کسی طرح کم نہیں ہوگی۔یہ گفتگو قیاس و استقرا پر مبنی ہے، حتمی نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ اس خطہ کی غالب اکثریت یعنی کوئی اسی فی صد مسلم آبادی سنی حنفی بریلوی ہے۔جو چالیس پچاس لاکھ سے کسی طور کم نہیں ہوگی۔لیکن افسوس ہے۔اتنی بڑی اکثریت کی نہ کوئی مذہبی قیادت ہے، نہ سیاسی اقتدار اور نہ تعلیمی میدان مین اطمینان بخش پیش رفت ہے۔اہلِ خطہ کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔جو انہیں فوری بیدار ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

تعلیمی تناسب : یہ علاقہ چونکہ سدا سے دینی تعلیم کا دلدادہ رہا ہے اور آج بھی ہے۔بلکہ اب یہ رجحان اور آگے بڑھا ہے۔ہر گاؤں میں دو چار علما ضرور ہوں گے۔کسی کسی گاؤں میں تو درجنوں علما ہوں گے۔گاؤں کے علاوہ کئی کئی گھرانے ایسے ہیں، جن میں دو دو، چار چار سے زائد

علما، فضلا، حفاظ ملیں گے۔ اس اعتبار سے یہ علاقہ بڑا خوش قسمت واقع ہوا ہے۔ برسرِ کار علما کرام کے علاوہ ایک بڑی تعداد دینی طلبہ پر مشتمل ہے۔ جو علاقہ اور ضلع اور باہر کے مدارس میں زیرِ تعلیم ہے۔ یہ بھی ایک خوش آئند بات ہے۔ طبقۂ نسواں میں بھی دینی تعلیم کا رواج فروغ پا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں کئی مدارس سرگرم عمل ہیں۔ یہ تمام کچھ ہونے کے باوجود ہم ابھی زمانہ کی رفتار سے بہت پیچھے ہیں۔ اس کے لیے وقت کا جبری تقاضا ہے کہ ان پانچوں اضلاع میں معیاری تعلیم کا ایک کسا ہوا نظام تعلیم برپا کیا جائے۔

پورنیہ کمشنری کی قریب پچانوے فی صد آبادی دیہاتوں میں بستی ہے اور پانچ سے دس فی صد گھروں میں ہی بجلی فراہم ہو پاتی ہے۔ بنیادی سہولت نہ ہونے کی صورت میں بچے اسکولی تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ پانچ سے دس فی صد بچے ہی اسکول جا پاتے ہیں۔ بقیہ قریب نوے فی صد بچے مقامی و بیرونی شہروں میں نوکری، محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک تو وہاں اسکول و کالج کی تعداد ہی کم ہے اور جو کچھ ہے، وہ ناقص نظام اور بنیادی سہولیات کے نہ ہونے سے بچے پریشان رہتے ہیں۔ سکنڈری، ہائر سکنڈری اور اعلیٰ تعلیم میں تاہم جو کامیابی ملی ہے۔ اس کا ایک سرسری جائزہ یہ ہے۔ آئی اے ایس، اور آئی پی ایس یہاں ایک بھی نہیں ہے۔ کوئی خاتون ڈاکٹر بھی نہیں ہے۔ مرد ڈاکٹر گیارہ ہیں۔ آئی ٹی آئی ایک ہے۔ جی آئی ٹی انیس ہیں۔ مگر برسرِ عمل صرف چھ ہیں۔ جونیئر انجینئر نو ہیں۔ بینک سروس میں کچھ پینتیس لوگ ہیں۔ کلرک کوئی چالیس ہیں۔ جوڈیشل سروس میں فقط ایک ہے۔ کالج سطح کی نوکریوں میں بائیس افراد ہیں۔ ہائی اسکول کی نوکری ایک سو دس لوگوں کو میسر ہے۔ پرائمری ٹیچرس کی تعداد ۹۰۵ ہے۔ بہار پولیس وہ بھی سپاہی درجے کے افراد صرف نو دس ہی ہیں۔ بہار پبلک سروس کمیشن میں کوئی گیارہ اسامیاں ہیں۔ عصری تعلیم اور ملازمت کا یہ وہ آئینہ ہے، جو ۱۹۹۰ء کے سروے میں سامنے آیا تھا۔ اب اگر اک آدھ فی صد بڑھا ہو تو بڑھا ہو۔ اس شعبہ میں بھی، جو نہایت اہم ہے، زمانہ نے ہمیں کس قدر پیچھے ڈھکیل رکھا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پورنیہ شہر ڈاکٹروں کی کالونی ہے۔ مگر وہاں کوئی میڈیکل کالج ہے۔ نہ فارمیسی ہے۔ نہ آئی ٹی آئی ہے۔ کٹیہار میں ایک میڈیکل کالج ضرور ہے۔ مگر عوام کی دسترس سے باہر ہے۔ کٹیہار میں بھی معاش و روزگار کا کوئی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ نہیں ہے۔ پورے خطہ میں صرف کشن گنج میں

ایک انجینئرنگ کالج کھولنے کی کوشش ہوئی تھی۔ جس کا دروازہ اب تک عام آدمیوں کے لیے کھلا نہیں ہے۔ پوری کمشنری میں ایک اکلوتا آئی ٹی آئی کا ادارہ کشن گنج میں کھلا ہے۔ جس کی افادیت ابھی عام نہیں ہوئی ہے۔ طب وصحت کے مراکز اول تو جگہ جگہ موجود نہیں ہیں، یا اگر کہیں کچھ ہیں بھی تو بالعموم بند ہوں گے یا بے فائدہ ہوں گے یا صرف خانہ پری کے ہوں گے۔ یہ صورتِ حال پکار پکار کر کہتی ہے کہ خطہ کا تعلیم یافتہ باشعور دردمند طبقہ ایک منٹ ضائع کئے بغیر بیدار ہوکر کام کا آغاز کردے۔

پورنیہ میں فارسی : مغلیہ دور میں ملک کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ چونکہ فارسی روزی روٹی اور معاش وروزگار سے راست پیوست تھی۔ اس لیے مسلمان ہندو اور عیسائی بھی فارسی پڑھنے پر مجبور تھے۔ نثر ونظم اور زبان وبیان کی عبارت قابلِ رشک ہوا کرتی تھی۔ پورنیہ، جو لکھنو سے دور تھا، دہلی سے دور تھا۔ جس پر مغلیہ سلطنت کی طرف سے امراء، نوابین اور فوجدار نامزد ہوا کرتے تھے۔ ان کی دفتری زبان بھی فارسی ہوتی تھی اور روزمرہ کی زبان بھی یہی ہوتی تھی۔ فارسی زبان و بیان کے معاملہ میں بھی پورنیہ نہایت سبقت لے گیا تھا۔ شیراز واصفہان اور تبریز وغزنی کے لیے بھی یہاں کی فارسی دانی قابلِ رشک تھی۔ کیوں کہ یہ علاقہ حاشیائی تھا۔ لیکن زبان وادب کے سلسلے میں یہ بالکل متن متین کا کردار ادا کررہا تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور عیسائیوں میں بھی اس زبان کا چرچا تھا۔ اہمیت تھی۔ چونکہ یہ معاش وملازمت سے جڑی ہوئی تھی۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مندروں، کلیساؤں اور ہندو، عیسائی کے مقابر پر جو کتبے آویزاں ہوتے تھے۔ وہ فارسی زبان میں ہی کندہ ہوتے تھے۔ مثالیں تو بہت ہیں۔ یہاں ایک ہی درج کرتا ہوں۔ پورنیہ سٹی میں چاندنی چوک ہے۔ اس سے ذرا پورب تھانہ ہے۔ اس سڑک کے ذرا آگے اتر کی طرف ایک مندر ہے۔ یہ مندر بابو رام چند نے بنوایا تھا۔ جس کا سنگِ بنیاد ۱۲۷۲ ملکی ہے۔ سنگ مرمر کے کتبے پر چار اشعار فارسی میں درج ہیں۔ آخری شعر آپ بھی ملاحظہ کریں۔

اندراں دم سالِ استھاپن چہ خوش ہاتف بگفت   یک ہزار و دو صد و ہفتاد و دو رکن رقم

۱۲۷۲ ملکی

عیسائیوں کی قبروں پر فارسی کتبوں کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں۔

☆ ڈاکٹر پی آئی فلور ایم ڈی کی قبر کا فارسی کتبہ ۱۸۵۱ بنگلہ ہے۔

☆ جون ڈبلو براؤن کی قبر کا کتبہ ۱۱۹۵ بنگلہ ہے۔

☆ کپتان بنجمن بلیک کا کتبہ ۱۲۲۷ بنگلہ ۱۸۲۰ء ہے۔

☆ چارلس پارکر کی قبر کا کتبہ ۱۸۴۰ ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ مسلم فوجداروں، نوابوں، رئیسوں، زمینداروں کے ساتھ ساتھ ہندو اور عیسائی راجہ ورؤسا بھی فارسی زبان وادب کے قدرداں اور دلدادہ تھے۔ مثال کے طور پر راجہ سری نگر کی لائبریری میں سینکڑوں فارسی کتابیں تھیں۔ جن میں قلمی مخطوطات بھی تھے۔ یہ لائبریری گرچہ برباد ہوگئی۔ لیکن اس کے بعض نسخے آج بھی کلا بھون پورنیہ میں موجود ہیں۔ راجہ مہندر نارائن رائے کی لائبریری قیمتی فارسی مخطوطات سے مزین تھی۔ ڈیوڑھی سیف گنج کٹیہار اور ڈھویلی اسٹیٹ کی لائبریریاں بھی کم قیمتی نہیں تھیں۔ مہن گاؤں اسٹیٹ اور خانقاہ عظمتیہ بازبیریا کی لائبریریاں بھی قابلِ ذکر تھیں۔ خانقاہ بندگی چمنی بازار شریف کا علمی قلمی ذخیرہ آج بھی قیمتی ہے اور حد درجہ اہمیت کا حامل ہے۔ راجہ پیسی لال کی لائبریری کے فارسی و اردو نسخے آج بھی جا بہ جا پائے جاتے ہیں۔ ذاتی ذخیرے اور خاندانی لائبریریاں بھی بہت تھیں۔ الغرض پورنیہ فارسی دانی کے معاملہ میں نہایت مالا مال تھا۔ محققین و مصنفین اور شعرا و ادبا کی حیات و خدمات کئی اہم تحقیقی مقالات کا موضوع بن سکتی ہیں۔ یہ تو محض ایک اشاریہ ہے۔ قابلِ کار نوجوان چاہیں۔ تو مواد کافی مل سکتا ہے۔

پورنیہ میں اردو: پورنیہ میں مسلم برادریاں تین چار طرح کی ہیں۔ ایک برادری سرجاپوری ہے۔ ان کی مقامی بولی بھی سرجاپوری کہلاتی ہے۔ جو پورنیہ کی قریب تین تہائی آبادی میں بولی جاتی ہے۔ یہ صرف روزمرہ کی عوامی بولی ہے۔ یہ ابھی رسم الخط میں نہیں آئی ہے۔ ماسٹر عبدالمغیر، بنیا باڑی، کٹیہار۔ جب صغریٰ کالج نالندہ میں تھے۔ تو انہوں نے پٹنہ و نالندہ رہنے والے سرجاپوری طلبہ کی کٹیہار بوائز ایسوسی ایشن بنائی تھی اور سہ ماہی کٹیہار بولٹن جاری کیا تھا۔ انہوں نے اس بولی کو لپیانے کی کوشش شروع کی تھی۔ اسی طرح پروفیسر عبدالمغنی کٹیہار نے لپی میں لانے کا آغاز کیا تھا۔ اس وقت لوگوں نے بڑا سراہا تھا۔ مگر یہ کوشش زیادہ آگے نہ بڑھ سکی۔ یہ کوئی ۸۵،

۱۹۸۴ء کی بات ہے۔ دیناج پور والے بھی یہی بولی بولتے ہیں۔ البتہ شیر شاہ آبادی اور کلہیا برادری، جو اپنے کو شیخڑا بھی کہلاتی ہے۔ ان کی گھریلو بولی قدرے مختلف ہے۔ لیکن تمام آبادی اور ساری برادری کی تحریری و تقریری کی زبان اردو ہی ہے۔

فارسی کی طرح اردو کا چلن بھی یہاں شروع سے رہا ہے۔ اردو کی خدمت میں یہ علاقہ کبھی پیچھے نہیں رہا ہے۔ چونکہ یہاں مسلمان بکثرت ہیں، مدارس اور علما و طلبہ کی بہتات ہے۔ اس لیے اردو کے فروغ میں یہ نہایت اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ یہ تو حالیہ دور کی بات ہے۔ ہمیں تو بات کرنی ہے صدر اول کی۔ ملک پر جب انگریز قابض ہوا۔ تو فارسی رو بہ زوال ہونے لگی۔ اس زوال کا سایہ پورنیہ پر بھی پڑنے لگا۔ ۱۷۷۰ء میں پورنیہ انگریزوں کی عملداری میں آیا۔ تاہم وہاں فارسی کا زور کم نہیں ہوا۔ اور یہ زور آزادی ہند کے بعد تک قائم رہا۔ اس کے اثرات اب بھی خال خال پائے جاتے ہیں۔ لیکن فارسی جیسے جیسے زوال پذیر ہو رہی تھی۔ اس کے شانہ بہ شانہ ایک نئی زبان ابھر رہی تھی۔ جسے پیاری زبان اور امن و محبت کی زبان اردو کہا جاتا ہے۔ پورنیہ کے نوابین اور فوجداران جس طرح فارسی کی سرپرستی کر رہے تھے۔ اسی طرح اردو زبان کا بھی وہ والہانہ استقبال کر رہے تھے۔ ان کے دربار علما، صلحا، شعرا، ادبا سے آراستہ رہا کرتے تھے۔ یہ کوئی ۱۷۲۱ء کا زمانہ تھا۔ جب نواب معین الدین سیف خان پورنیہ کا فوجدار ہوا۔ تو ان کے دربار میں فارسی کا چلن تو تھا ہی، دبے پاؤں اردو بھی داخل ہو چکی تھی۔ سیف خان کے بعد نواب صولت جنگ اور شوکت جنگ کے عہد میں اردو زبان دلہن اور ملکہ کی طرح راج کرنے لگی۔ سیف خان بابائے اردو نواب امیر خان کے بھائی تھے۔ اور امیر خان میر میراں کے لڑکے تھے۔ انہوں نے تقریباً تیس سال پورنیہ پر حکومت کی، انہیں کی دعوت پر سید محمد علی اورنگ آبادی پورنیہ آئے اور عظیم آباد ہوتے ہوئے شاہ جہاں آباد تشریف لے گئے۔ عام بول چال سے ہٹ کر نثر و نظم میں تصنیف و تالیف ایک تحقیق طلب امر ہے۔ محدود مطالعہ کی حد تک مثنوی 'بدیا دھر' پورنیہ کی قدیم تصنیف ہے۔ جو ۱۷۲۸ء میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مصنف شاہ کفایت اللہ، پورنیہ سے پچھم دمکا گاؤں کے باشندے تھے۔ ان کا مزار وہاں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ ان کے پیر و مرشد شیخ محمد اعظم علیہ الرحمہ تھے۔ جو ناظر پور کے رہنے والے تھے۔ انہی کی فرمائش پر شاہ کفایت اللہ نے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ اس وقت مصنف کی عمر بیس پچیس برس کے درمیان تھی۔ یہ کتاب مدت مدید کے بعد

۱۹۳۸ء میں چھپ سکی۔ صفحات ۲۳۷ رہیں۔ اردو کی اولین کتابوں میں اس کا شمار ہونا چاہیے اور اس کی قدر و قیمت متعین ہونی چاہیے۔

نواب صولت جنگ کا دور علمی ادبی اعتبار سے نہایت تابناک گزرا ہے۔ جید عالم دین ملا غلام یحیٰ، مفتی ضیاء اللہ، مولینا لعل محمد، شیخ ہدایت اللہ، سید عبدالہادی روشن، میر وحید اور سیر المتاخرین کے مصنف غلام حسین طباطبائی جیسے اجلۂ علما اور اکابر ادباء کی موجودگی سے پورنیہ کا بازار علم و ادب گرم تھا۔ میر سید عبدالہادی روشن، جہانگیر نگر، ڈھاکہ میں پیدا ہوئے۔ شاہ جہاں آباد دہلی میں نشو و نما ہوئی۔ صولت جنگ کی دعوت پر پورنیہ آ گئے۔ تو یہیں کے ہو رہے۔ کہا جاتا ہے کہ مدفن بھی پورنیہ ہی بنا۔ میر باقر حزیں دہلی کے تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔ دہلی سے عظیم آباد آئے، عظیم آباد سے پورنیہ پہنچے۔ صولت جنگ کی رفاقت میں زندگی بسر کی۔ گمان ہوتا ہے کہ ان کا مدفن بھی پورنیہ ہی بنا۔ یہ کوئی اٹھارویں صدی کی ساتویں آٹھویں دہائیاں تھیں۔ حسرت بھی مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ یہ بھی پورنیہ تشریف لائے۔ ۱۲۰۱ھ میں وصال ہوا۔ میر مستقیم جرأت بھی پورنیہ میں مقیم ہوئے اور اپنے فن کا جوہر دکھایا۔

مثنوی مولینا روم کا علمی لسانی اور شعری رتبہ مسلم ہے۔ اس کا منظوم سلیس اردو ترجمہ پورنیہ میں ہوا تھا۔ جس کا نام 'باغِ ارم' رکھا گیا تھا۔ یہ ترجمہ ۱۸۲۵ء کے بعد کا ہے۔ پروفیسر سید حسن عسکری نے یہ ترجمہ دیکھا۔ تو پھڑک اٹھے۔ تصدق حسین مشتاق نے پوری بوستان کا اردو ترجمہ کیا۔ اور منظوم مسدس کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کس قدر فروغ پا چکی تھی۔ تفسیرِ پورنوی، تسطیرِ پورنوی یہ دونوں شوق نیموی کے شاگرد تھے۔ سالم لکھنوی ناسخ کے شاگرد تھے۔ پورنیہ رہ رہے تھے۔ یہیں وصال کیا۔ کھگڑا کے نواب سید عطا حسین کی کوشش و کاوش بھی فروغ اردو میں انتہائی درخشاں اور ضوفشاں ہے۔ یہ کوئی تحقیق نہیں، محض ایک جھلک ہے۔ بعد کی باتیں بعد والوں کے لیے چھوڑتا ہوں۔

مذہبی ادب : فارسی اور اردو میں ادبی موشگافیاں اور شعر و شاعری اپنی جگہ، مذہبی ادب کے میدان میں بھی اہلِ پورنیہ نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ نوابانِ کھگڑا اثنا عشری شیعہ تھے۔ نواب عطا حسین اور فدا حسین سنی حنفی بن گئے تھے۔ حافظ الحدیث علامہ قادر بخش سہسرامی کی فہمائش کا یہ

نتیجہ تھا۔ علامہ ظل الکریم بردوان کے رہنے والے تھے۔ کھگڑا پورنیہ میں رہ رہے تھے۔ نواب عطا حسین کی فرمائش پر انہوں نے حقیقت الاسلام فارسی کا اردو ترجمہ کیا۔ جو مطبع نولکشور سے ۱۸۸۳ء میں چھپا۔ حقیقۃ الاسلام قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تصنیف ہے۔ شہاب ثاقب علامہ ظل الکریم کی کتاب ہے۔ جو فارسی میں ہے۔ اس کا ترجمہ اردو میں نواب کی فرمائش پر ہوا۔ مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۷۳ھ میں چھپا۔ ترجمہ بھی خود مصنف کا ہے۔ جس کا نام 'رجم روافض' ہے۔ علامہ قادر بخش سہسرامی نے کتاب الاربعین فی اشاعت مراسم الدین لکھی۔ جس پر علامہ عبدالحئی فرنگی محلی کی تقریظ ہے۔ دوسری کتاب 'التقریر المعقول فی فضائل الصحابہ واہلِ بیت الرسول' تصنیف کی۔ یہ دونوں بھی نواب مذکور کے ایما سے معرضِ وجود میں آئیں۔ جو ۱۳۰۰ھ میں انوارِ محمدی لکھنو سے چھپی ہیں۔ قدوۃ الکاملین عمدۃ السالکین شاہ محمد حفیظ الدین رحمان پوری، جلالۃ العلم قطب العافین مظہر سرکار آسی شاہ محمد یوسف رشیدی علیہما الرحمہ کی تصانیف درجنوں درجن ہیں۔ جو ہیں تو مذہبی، مگر اردو زبان میں بھی ہیں۔ شاہ سکندر علی رشیدی بنی باڑی۔ علامہ عبدالرحمٰن بنی باڑی، شاہ شرف الدین گانگی کی تصانیف بھی اردو میں ہی ہیں۔ شاہ عبدالقادر رشیدی، شیخ الاسلام شاہ غلام محمد یسین رشیدی کی اردو خدمات سے انکار ممکن نہیں۔ عصر حاضر کے علما، ادبا، شعرا نے تو دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں۔

اقتصادی پہلو: پورنیہ کمشنری جب سے آباد ہے۔ بے حد خوشحال ہے۔ ماضی تو ایسا خوش حال اور پرسکون تھا کہ شاید و باید۔ یہی وجہ تھی کہ پانڈو جب کورو کے ظلم وستم سے تنگ آ گئے۔ تو جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے لیے سرزمین پورنیہ کا انتخاب کیا۔ مسلم دورِ حکومت میں خوش حالی اور خیر سگالی کا ایسا نمونہ تھا کہ تاریخ فرشتہ کے مصنف کو 'بہتر از مصر بود' لکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ انگریز کا تسلط ہوا۔ خوش حالی بدحالی میں بدلنے لگی۔ زمینداریاں ضبط کی گئیں۔ معافیاں ختم کر دی گئیں۔ امراء و نوابین بے گھر کر دیئے گئے۔ فارسی زبان کے بے دخل ہونے سے معاش و روزگار کے دروازے بند ہو گئے۔ غربت و نکبت کا یہ سایہ آزادی ہند کے بعد تک قائم رہا۔ ریاستی حکومت ہو یا مرکزی سرکار، دونوں نے نہ تو ہمدردی کی نظر ڈالی، نہ انصاف کی نگاہ اٹھائی۔ تعلیم، روزگار، ملازمت، صنعت، حرفت، تجارت کسی شعبہ میں کچھ بھی معقول سہولت فراہم نہ کی گئی۔ اپنی جان پر کھیل کر اہلِ پورنیہ نے اپنی حالت سدھارنے کی کوشش کی اور آج وہ حالت زار نہیں۔ جو کچھ

برسوں پہلے تھی۔ یہ بدلاؤ ذاتی انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ریاستی مرکزی حکومت کی نگاہ انصاف کا یہ علاقہ آج بھی منتظر ہے۔

آمدِ اسلام کی کہانی: مسلم سیاح وتجار کے ذریعے اسلام اول اول تجارت وسیاحت کے دوش پر ہندوستان آیا۔ کھمبات، سورت، تھانے، کندہ پور، مالا بار، کولم، چنئی، وشاکھا پٹنم، کلکتہ کے ساحلی علاقوں میں اسلام سب سے پہلے پہنچا۔ کیرالہ کے راجہ جموردن کے واقعہ سے براہِ راست اسلامی تعلق کا پتا چلتا ہے۔ محمد بن قاسم ۹۲ھ میں کراچی کے کنارے اترے، کراچی، دیبل ہوتے ہوئے ملتان تک پہنچے اور حکومت اسلامیہ کی طرح ڈالی۔ محمود غزنوی کی کوششیں بھی پے در پے ہوتی رہیں۔ حضور غریب نواز کی آمد سے اشاعت اسلام کا ایک بڑا دروازہ کھلا۔ پھر تو صوفیائے کرام نے وہ دھونی رمائی کہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں دھوم مچ گئی۔ صوفیا کی ساری جماعت سنی حنفی بزرگوں پر مشتمل تھی۔ غریب نواز، قطب الدین بختیار کاکی، فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیا، بندہ نواز گیسودراز، آئینۂ ہند شیخ سراج الدین، مخدوم علاء الحق، مخدوم اشرف جہانگیر، سید سالار مسعود غازی ان سے پہلے مخدوم ماہی، ان سے پہلے حضرت داتا گنج بخش ہجویری، بہاء الدین شاہ زکریا ملتانی غرض سارے صوفیا، ان کی نسلیں، ان کی شاخیں سب کی سب سنی حنفی ہی تھیں۔ جنوب ہند کیرالا وغیرہ میں سب کے سب سنی شافعی تھے۔ بادشاہوں میں شہاب الدین غوری سے بہادر شاہ ظفر تک تمام حکمراں سنی حنفی ہی تھے۔ دنیا بھر میں سنی حنفی کی تعداد تقریباً تین تہائی ہے۔ فوجی عسکری اعتبار سے ایرانی النسل شیعہ یہاں درآمد ہوئے، جو دہلی، لکھنؤ میں آباد ہوئے۔ اسلام کی آمد سے لے کر بارہویں صدی ہجری تک ہندوستانی مسلمانوں کا دین وعقیدہ وہی رہا۔ جو صوفیائے کرام کے ذریعے پہنچا تھا۔

اپنی آمد سے لے کر ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ تک غیر منقسم ہندوستانی اسلام سوادِ اعظم اہلِ سنت ہی رہا اور ہدایہ ہی راہِ ہدایت دکھاتی رہی۔ سنہ مذکورہ کے ماہِ ربیع الثانی میں 'تقویت الایمان' لکھی گئی۔ جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے چھپ کر پورے ہندوستان میں تقسیم کی گئی اور یہ برطانوی حکومت کی شہ پر لکھی گئی اور برطانوی پریس سے طبع ہو کر عام ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت نے ہندوستانی اسلامی وحدت وشوکت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سرسید نے لکھا ہے

کہ ۱۸۲۵ء میں حکومت برطانیہ نے جن ہندوستانی کتابوں کا انگریزی ترجمہ کرا کر لندن سے چھپوائی تھی۔ ان میں تقویت الایمان ساتویں نمبر پر تھی۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی لکھتے ہیں کہ ۱۲۴۰ھ تک ہندوستان میں وہابیت کا پتا نہیں تھا۔ سب حنفی سنی تھے۔ شیعہ تھے بھی، تو آٹے میں نمک کے برابر، تقویت الایمان سے مذہبی آزادی کا دور شروع ہوا۔ کوئی غیر مقلد ہوا۔ کوئی وہابی بنا۔ کوئی اہلِ حدیث اور سلفی کہلایا۔ احمد رضا بجنوری نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی نوے فی صدی آبادی حنفی المسلک ہے۔ تقویت الایمان کی وجہ سے لوگ گروہ میں بٹ گئے۔ یہ گروہ یہی وہابی، سلفی، اہلِ حدیث، غیر مقلد، پھر دیوبندی، ندوی، قادیانی ہیں۔ پروفیسر ایوب قادری کے بقول وہابیت انگریز کا کاشتہ پودا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کا ریمارک کچھ یوں ہے۔ قادیان اور دیوبند اگر چہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں ہی اس تحریک کی پیداوار، جسے عرفِ عام میں وہابیت کہا جاتا ہے۔ ثناء اللہ امرتسری یہی لکھتے نظر آتے ہیں۔ امرتسر میں ۸۰/اسّی سال قبل تقریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے۔ جن کو آج کل حنفی بریلوی کہا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کلمات طیبات میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام علاقوں اور ملکوں کے بادشاہ حنفی ہیں اور یہاں قاضی، مفتی، مدرسین اور اکثر عوام حنفی ہیں۔ نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی یہی لکھا ہے۔ آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور اس مذہب کے عالم فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے ہیں۔ ان شواہد سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کن کتابوں اور کن لوگوں سے وحدتِ اسلامی پارہ پارہ ہوئی ہے۔ اسلام کو بھاری نقصان پہنچا اور کن لوگوں نے گروہ بندیوں کا آغاز کیا۔ یہ رہی ہندوستان کی مذہبی آزادی کی سرسری صورتِ حال۔

پورنیہ کا منظر نامہ : پورے برصغیر کی طرح پورنیہ میں بھی سنی حنفی مسلمان ہی تھے۔ اسلام کی آبیاری میں، جن بزرگوں نے خون پسینہ ایک کیا، ان کی ایک جھلک یہ ہے۔ مشائخ مہسو شریف، آئینہ ہند شیخ سراج الدین، مخدوم علاء الحق، مخدوم نور قطب عالم، سادات بازپیریا، حضرت بندگی چمنی بازار شریف وغیرہ اور پھر ماضی قریب میں مولینا ظل الکریم بردوانی، علامہ قادر بخش سہسرامی، شاہ حفیظ الدین رحمان پوری، جلالۃ العلم شاہ محمد یوسف رشیدی، شاہ سکندر علی رشیدی، شاہ شرف الدین گانگی وغیرہم علیھم الرحمہ۔

پورنیہ میں شیعیت: پورنیہ میں شیعیت بادشاہ ہمایوں کے زمانہ میں آئی۔ بھوٹانی اور نیپالی پورنیہ پر پے در پے کبھی رہزنی کرتے تھے۔ کبھی حملے کرتے تھے۔ ان کو روکنے کے لیے ہمایوں نے سید دستور خان کو ایران سے بلایا۔ دستور خان مذہباً شیعہ تھے۔ جنگ جو، بہادر، مدبر شخص تھے۔ سید جلال الدین نے ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ جو جلال گڑھ کہلایا۔ ان کو پرگنہ سرجاپور جاگیر میں دی گئی۔ اب یہ خاندان نواب کہلایا اور کھگڑا کشن گنج میں اپنی کوٹھی اور کچہری بنوائی۔ اسی خاندان کے لوگ مرشد آباد میں آباد ہوئے۔ یا پہلے سے آباد شیعوں سے رشتے ہوئے۔ بہت بعد میں اس خاندان کے نواب سید عطا حسین اور سید فدا حسین نے شیعیت ترک کر دی اور مذہب اہل سنت اختیار کر لیے۔ شیعوں کا ایک خاندان سٹی پورنیہ میں آباد ہے۔ چوڑی پٹی کشن گنج میں جو شیعہ خاندان ہے۔ وہ بلگرامی سادات کی ایک شاخ، جو شیعہ ہوئی تھی۔ اسی کی نسل سے ایک شاخ کواتھ آرہ، پٹنہ اور کشن گنج میں آباد ہوئی۔ یہ وہاں طبابت کی غرض سے آئے تھے۔ شعر و شاعری بھی کرتے تھے۔ آج بھی ہیں۔

پورنیہ میں وہابیت: پورنیہ میں وہابیت بہت بعد میں آئی۔ یہ کوئی دس بیس سال کی بات ہے۔ اب وہ زوروں پر ہے۔ مگر اس سے پہلے وہاں دیوبندیت آئی، جو وہابیت کی ایک شاخ ہے۔ یہ کوئی تیرھویں صدی ہجری کی آخری دہائی تھی۔ چودھویں صدی ہجری نصف اول تک یہ نہایت کمزور دبی کچلی رہی۔ نصف آخر میں اس نے کچھ بال و پر نکالے۔ یہ جنگِ آزادی کا دور تھا۔ باہر سے آئے ہوئے کانگریسی علما سیاست کے پردے میں اپنا مذہب پھیلا گئے۔ اب یہ تمام تر یک جٹ ہو گئے ہیں۔ تعلیم، سیاست، لٹریچر اور فلاحی کام ان کے ہتھکنڈے ہیں۔ گاؤں کا گاؤں، شہر کا شہر اور علاقے کا علاقہ نگلتے، پیتے چلے جا رہے ہیں۔ بدعقیدگی کی آہٹ ہر جگہ محسوس ہونے لگی اور اس کا بڑھتے سیلاب نے ہمارے دروازوں تک دستک دینا شروع کر دیا ہے۔

ایسا کیوں ہوا؟ پچھلے چالیس پچاس برس پہلے جو علما و فضلا پورنیہ کمشنری کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج میں فارغ ہو کر آئے۔ ان میں جو زیادہ باصلاحیت تھے۔ عرصۂ دراز تک وہ باہر ہی رہے۔ اپنے علاقہ پر ان کی توجہ نہ رہی۔ کچھ افراد رہے بھی، تو انہیں وہ مالی وسائل فراہم نہ ہو سکے، جو ان کو درکار تھے یا وسائل کچھ نہ کچھ میسر بھی ہوئے۔ مگر ان کا استعمال صحیح رخ پر نہ ہو سکا۔ پچیس تیس

برسوں میں فارغ ہونے والے علما کرام کا رخ یکسر باہر کی طرف رہا۔ خطہ سے باہر رہنے والے علما خطے میں سال دو سال میں آتے ہیں، تو وہ دینی موضوعات کی طرف توجہ نہ کرسکے، شادی بیاہ، خرید وفروخت، گھریلو کام کاج نپٹا کر واپس ہو گئے۔ نتیجہ میں میدان خالی رہا۔ غیروں کو کام کرنے کا خوب خوب موقع مل گیا۔ سنی حنفی بکثرت ہوتے ہوئے بھی ان کی سرگرمیاں زیادہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ جن کو یہ بد مذہب، بدعقیدہ کہتے ہیں۔

مدارس کا جائزہ : دارالعلوم مصطفائیہ، چمنی بازار، مجھے معلوم نہیں کہ یہاں کبھی شرح جامی سے آگے تعلیم ہوئی ہو۔ حالانکہ رقبہ اراضی اور عمارت کافی وسیع ہے۔ جامعہ بحرالعلوم کٹیہار۔ یہاں حضرت ملک العلما کے زمانہ میں دورۂ حدیث تک معیار تعلیم رہا۔ کوئی دس بارہ سالوں تک نہایت پرزور تعلیم ہوئی اور علما فارغ ہوئے۔ بعد میں یہ بھی ثالثہ رابعہ تک آکر ٹھہر گیا۔ تنظیم المسلمین بائسی ایک تنظیم کی شکل میں وجود میں آئی۔ بعد میں تعلیمی ادارہ بن گیا۔ کچھ سالوں یہاں بھی وہی رابعہ تک تعلیم اچھی خاصی رہی۔ اب بھی ہے۔ مگر وہ بات اب عطر میں نہیں، جو کبھی پسینہ میں تھی۔ حالانکہ اب یہاں بھی عمارت اور رقبہ زمین بہت وسیع ہے۔ دورہ حدیث تک کی مکمل گنجائش ہو سکتی ہے۔ جامعہ روح العلوم کٹیہار ہم نے نہیں دیکھا۔ غالب گمان ہے۔ یہاں بھی وہی صورتِ حال ہوگی۔ جو مذکورہ اداروں کی ہے۔ الجامعۃ النظامیہ ملک پور نہایت طمطراق سے وجود میں آیا۔ خامسہ تک تعلیم ہوئی۔ پھر رابعہ تک محدود ہو گیا۔ یہاں بھی عمارت اور زمین بے حد وسیع ہے۔ دارالعلوم حنفیہ کھگڑا حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی صاحب کے عہد میں خوب عروج پر تھا۔ خامسہ تک تعلیم نہایت معیاری تھی۔ قابل طلبہ کی کھیپ کی کھیپ تیار ہو ہو کر باہر نکل رہی تھی۔ اب یہ ادارہ بھی ثالثہ تک رکا ہوا ہے۔ یہاں بھی عمارت ہے۔ بڑا رقبہ ہے۔ بڑا ادارہ چل سکتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے کے بعد غیب سے ایک مرد قلندر سامنے آیا۔ کنہیا باڑی جنتا ہاٹ کشن گنج میں دارالعلوم اہل سنت قائم کیا۔ زمین فراہم کی، عمارتوں کی قطار لگائی۔ معیار تعلیم کو دورہ حدیث تک پہنچایا۔ اس ادارہ نے کچھ نہ کچھ تو لاج بچائی۔ یہ کارنامہ ہے حضرت بابا احسان اللہ صاحب کا۔ الجامعۃ الاشرفیہ بہادر گنج ثالثہ رابعہ سے آگے کبھی نہیں جاسکا۔ ۱۹۹۰ء کے دہے میں پورنیہ شہر میں دارالعلوم محمدیہ عربک کالج قائم ہوا۔ شہری سطح پر اس ادارہ نے اچھا اثر چھوڑا۔ فضیلت تک تعلیم بھی ہوئی۔ مگر اب لگتا ہے۔

اس کی اٹھان بھی ڈھلان کی طرف ہے۔ ایک پرانا ادارہ اور مدرسہ لطیفیہ، تکیہ رحمان پور، یہ کوئی سو سالہ مدرسہ ہے۔ مفتی مطیع الرحمٰن کے زمانہ میں اچھی تعلیم تھی۔ پھر تو ثانیہ، ثالثہ کی سیڑھی سے کبھی اوپر اٹھ نہ سکا اور نہ ہی کوئی تعمیری پیش رفت ہوئی۔ سو سال پہلے جیسا تھا۔ سو اب بھی ہے۔ اتر دیناج پور کے مدارس، جہاں میں نہ گیا ہوں۔ نہ دیکھا ہوں۔ مگر یقین ہے، کوئی مدرسہ ثالثہ رابعہ سے اوپر جانے کی جرأت نہیں کیا ہوگا۔

کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، دیناج پور میں مدارس کا حال جیسا بھی ہے، بہت بہتر نہیں ہے۔ تو بالکل بھی گیا گزرا بھی نہیں ہے۔ لیکن ضلع اررریہ کا حال تو بالکل ہی گیا گزرا ہے۔ اس طرف کوئی جھانک کر دیکھنے کو بھی تیار نہیں ہے۔ دس بیس گاؤں میں تو لاکھ دو لاکھ سنی مسلمان ضرور ہیں۔ مگر یہ نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ امید کا ایک ستارہ وہاں ضرور طلوع ہوا ہے۔ مگر یہ ستارہ امریکہ کے افق پر چمک رہا ہے۔ اگر یہ چاہے تو، اررریہ کے تاریک گوشوں کو تاباں درخشاں کرسکتا ہے۔ فوراً سے پیشتر اسے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ یہ تابندہ ستارہ حضرت علامہ محمد منظر الاسلام ازہری ہیں۔ جو امریکہ رہتے ہیں۔ خدا کرے۔ وہ اپنی مٹی سے جڑے زمینی حقائق سے آشنا ہوں۔

پورنیہ کمشنری بشمول دیناج پور پچاس سے ساٹھ لاکھ مسلمان ضرور ہوں گے۔ دسیوں ہزار علما اور بیسیوں ہزار دینی طلبہ ضرور ہوں گے۔ اتنا بڑا ایریا، اتنی بڑی تعداد ہے۔ مگر ایک بھی ایسا ادارہ نہیں، جو تمام دینی تعلیمی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔ ایک ایسا ادارہ، جہاں دار الحدیث، دار الافتا، پندرہ بیس مدرسین، پانچ پندرہ سو یا ہزار طلبہ ہوں، نصاب تعلیم، نظام تربیت اور رہائش و خورد و نوش کا انتظام ایسا باعث کشش ہو کہ طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون علاقہ کا رخ نہ کریں۔ خدا کرے اس خطہ کے علما کرام اس جہت سے کوئی عملی قدم اٹھائیں اور دردمند باشعور عوام اہل سنت ان کا ساتھ دیں۔

دینی کتب : دینی اصلاحی کتابوں، مضامین کی تحریر و اشاعت بھی ایک دینی ملی فریضہ ہے۔ اس خطہ میں سیمانچل اور دیناج پور کے علما سست روی کے شکار ہیں۔ ایک تو ہمارے علما لکھتے نہیں۔ اگر کچھ حضرات جان کے بل پر کھیل کر کچھ تحریر کرتے ہیں تو صحیح ڈھنگ سے اس کی

اشاعت نہیں ہو پاتی۔ لاکھوں لاکھ کی آبادی میں ہزار کتاب کی نکاسی میں سالوں لگ جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مطالعہ و کتب بینی کا ذوق کس قدر پژمردہ ہے۔ لاکھوں لاکھ روپئے، جو جلسوں، کانفرنسوں پر خرچ ہوتے ہیں، کیا ہزاروں کی رقم دینی کتب کی خرید و اشاعت پر نہیں لگائی جاسکتی۔ جبکہ دعوت و اصلاح اور عوامی ذہن سازی میں دینی کتابیں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ پورے خطہ میں بھاری تعداد میں کتب خانے قائم کئے جائیں۔ کچھ نو فارغ علما مدرسے کھولنے کی بجائے کتب خانے کھولیں۔ کتابوں کی طباعت و اشاعت اور تجارت کریں۔ جو سنت بھی ہے اور دینی خدمت بھی۔ تاریخ و تذکرہ کے باب میں بھی علماءِ سیمانچل بالکل صفر ہیں۔ انہیں چاہیے کہ علاقائی موضوعات پر کام کریں اور اپنے اسلاف کے نام اور کام کو زندہ تابندہ رکھیں۔ ماضی قریب میں دیکھا جائے، تو جلالۃ العلم قطب العارفین شاہ محمد یوسف علیمی رشیدی نور اللہ مرقدہ خطہ کے سب سے بڑے کثیر التصانیف بزرگ ہیں، قدوۃ الکاملین عمدۃ السالکین شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمان پور دوسرے بڑے مصنف گزرے ہیں۔ ان دونوں کی تصانیف بہر صورت چھپنی چاہئے، عام ہونی چاہئے۔

صحافت : صحافت عصر حاضر کا ایک موثر شعبہ ہے۔ اس کے ذریعہ ترسیل و ابلاغ اور عوامی ذہن سازی کا کام انجام پاتا ہے۔ اس شعبہ میں سنی حلقہ بالکل صفر ہے۔ کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج سے نہ کوئی اخبار نکلتا ہے۔ نہ کوئی پندرہ روزہ یا ماہنامہ شائع ہوتا ہے۔ اتنے بڑے حلقہ کا کوئی ترجمان نہیں، باعثِ حیرت ہے۔ ایسا نہیں کہ پورنیہ میں صحافت نہیں ہوئی ہے۔ میری مراد سنی صحافت سے ہے۔ کوئی نہ کوئی ہفت روزہ، پندرہ روزہ ہی سہی، ہونا چاہئے۔ مدارس والے چاہیں، تو ماہنامہ یا سہ ماہی ہی سہی، جاری کرنا چاہئے۔ علاقائی موضوعات کے ساتھ ملکی آفاقی موضوعات کو بھی چھونا چاہئے۔ مدارس کے بڑے بڑے بجٹ میں اگر تھوڑی سی گنجائش لاکھ پچاس ہزار کی ہی سہی، لٹریچر اور سنی آرگن اور ترجمان کے لیے نکالنی چاہئے۔ خود باخبر رہیں، دوسروں کو باخبر رکھیں۔ یہ بے خبری اور بے بصری موت کے مترادف ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ آپ جاگ رہے ہیں یا بے حسی کی نیند سو رہے ہیں۔ زندہ ہیں، تو زندگی کا کچھ تو ثبوت دیا کیجیئے۔ واضح رہے کہ پورنیہ میں صحافت کا آغاز ۱۹۰۶ء سے ہوا ہے۔ روزنامہ نکلا ہے ہفت روزہ نکلا ہے۔ پندرہ روزہ

بھی جاری ہوا ہے۔ ماہنامے بھی ایشو ہوئے ہیں۔ اردو، ہندی، بنگلہ، انگریزی میں صحافت ہوئی ہے اور آج بھی ہورہی ہے۔ اس کے لیے دیکھئے۔ میرا مضمون 'پورنیہ میں صحافت کا آغاز و ارتقا۔ایک تحقیقی مطالعہ' میں تو جھنجھوڑ رہا ہوں ان کو، جو اپنے آپ کو سنی حنفی کہلاتے ہیں۔

پورنیہ میں سیاست : یہ شعبہ آج کی تاریخ میں سب سے بڑا طاقت ور ہے۔اس شعبہ میں بھی پورنیہ کے جیالے وہ کارنامے انجام دے نہ سکے، جو ان سے متوقع تھے۔ ہمارے علما مدارس قائم کرتے ہیں، تو ان کی اڑان درجہ سوم و چہارم تک پہنچتے پہنچتے دم توڑ دیتی ہے۔اسی طرح ہمارے سماجی کارکن اور سیاست دان کی تان مکھیا، سرپنچ اور پرمکھ تک جا کر ٹوٹ جاتی ہے۔کوئی اگر زیادہ خوش قسمت واقع ہوا۔ ایم ایل اے بن گیا، بس ان کی دوڑ اب بس پٹنہ تک۔ مکھیا جی اور بدھائنک جی کیا کرتے ہیں، خدا جانے۔ بنیادی مسائل جوں کے توں ہی رہتے ہیں۔ تعلیم، تجارت، روزگار، سڑک، بجلی، راشن، حکومتی طبی امدادی اسپتال، جہاں دیکھئے، مکھیاں ہی مکھیاں بھنبھنارہی ہیں۔نتیجہ میں جہالت، غربت، بے روزگاری، امراض سے لوگ جوجھ رہے ہیں۔

سیاست کے لیے سیاسی علوم و تجربہ، سماجی علوم و تجربہ، سماجی نفسیات، تاریخی شعور، عصری آگہی، قانونی معلومات۔ پل پل بدلتے حالات کا مطالعہ و جائزہ، عوامی ہمدردی، عوامی ضروریات کی تکمیل، انسانیت سے محبت، خدمت خلق کا وافر جذبہ، ایمانداری، انصاف، وقف ہو کر قوم کے لیے کام کرنا ضروری ہے۔ یہ صفات اس وقت پیدا ہوں گی۔ جب آپ کا سبجیکٹ پولیٹکل سائنس رہا ہوگا۔ جب کوئی یہ سبجیکٹ پڑھا ہی نہ ہو۔ مطالعہ رکھتا ہو، نہ تجربہ رکھتا ہو۔تو پھر وہ قوم کی خدمت کیا کرے گا۔ نہ اس میں علمی صلاحیت ہوگی، نہ لسانی لیاقت ہوگی، نہ جرأت اظہار حق ہوگی۔ اپنے حقوق کا حصول وہ کبھی نہیں کرسکتا۔ ہاں اتنا ہوگا کہ گھاگ سیاست دانوں کا حاشیہ و بالشتیہ بن کر صرف جی جی اور جی ہاں کرے گا اور اپنا الو سیدھا کرے گا۔ پورا سماج اور اس کے مسائل جائیں بھاڑ میں۔ سیمانچل میں اب تک یہی ہوا ہے۔

کٹیہار کا ایم پی کبھی طارق انور بنتا ہے۔ کشن گنج کا ایم پی کبھی ایم جے اکبر ہوتا ہے۔ پورنیہ کا کوئی اور ہوتا ہے۔ جو ہوائی جہاز سے آتا ہے۔نوٹ بانٹتا ہے۔ ووٹ لیتا ہے اور پھر دہلی واپس ہو جاتا ہے، پھر کبھی واپس جھانکتا بھی نہیں۔ بھولے بھٹکے کبھی آ بھی گیا، تو صرف سیاسی بازی

گری کے لیے۔ سبز باغ دکھانے کے لیے۔ مقامی رہنما ہو، تو مقامی مسائل جان سکے کہ کس کے پیٹ میں کیا درد ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا سماج درد سے کراہ رہا ہوتا ہے اور اس کے لیڈر کو اس کی بھنک بھی نہیں لگتی۔

سیمانچل زراعتی علاقہ ہے۔ غلہ اناج کی پیداوار میں یہ دوسرا پنجاب ہے۔ پچانوے فی صد لوگوں کا انحصار زراعت پر ہے۔ لیکن زراعت کے لیے جو بنیادی سہولت مطلوب ہے۔ وہ سیمانچل کو میسر نہیں۔ نہ بجلی پانی کی سپلائی ہے۔ نہ عمدہ کھاد بیج کا انتظام ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ کوسی، پروان، کنکئی، مہانندا کے کٹاؤ بہاؤ اور سیلاب کی تباہ کاریوں سے پورا سیمانچل نڈھال و بدحال ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی ندیاں، حتی کہ سمندر قابو میں کرلیا گیا ہے۔ مگر سیمانچل کی ندیاں شتر بے مہار ہیں۔ پاگل ہاتھی، خوں خوار شیر کی طرح علاقہ کا علاقہ، کھیت کھلیان، دکان مکان سب کو تہس نہس کرتی رہتی ہیں۔ نہ ہمارے لیڈروں نے آواز اٹھائی۔ نہ ریاستی و مرکزی حکومت نے کوئی اسکیم بنائی۔ یہ آواز اٹھائے، تو کون اٹھائے۔ ایم پی تو باہر کا ہوتا ہے اور بدھا ئیک جی لوگوں کو وہ قوت، جرأت، صلاحیت نہیں۔ جو وہ کوئی پرزور احتجاج کرسکیں۔

سیمانچل کا ایک ہی مسئلہ نہیں، گونا گوں مسائل سے یہ علاقہ گھرا ہوا ہے۔ گورنمنٹ کے قانون میں بچہ مزدوری ممنوع ہے۔ مگر سب سے زیادہ بچہ مزدوری سیمانچل میں ہے۔ سیمانچل کے لاکھوں لاکھ بچے ملک کے دوسرے بڑے شہروں میں مزدوری کررہے ہیں اور نوجوان آب کشی کررہے ہیں، خشت زنی کررہے ہیں۔ خون پسینہ ایک کررہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر آنکھوں کا دامن بھر جاتا ہے، ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیمانچل کوئی مزدور کالونی ہے؟

ایک مسئلہ ہو، تو اس کا تجزیہ، تصفیہ کیا جائے۔ یہاں مسائل ہی مسائل ہیں۔ اس لیے ہم آواز دیتے ہیں، سیمانچل کے ان جیالے نونہالوں کو جو پٹنہ، علیگڑھ اور دہلی کی یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ ان میں سے کچھ پولیٹیکل سائنس ضرور پڑھیں۔ علاقائی، صوبائی، ملکی سیاسیات کا مطالعہ کریں۔ بصیرت و مہارت اور عملی تجربہ کے بعد سیمانچل کی سیاسی قیادت کا فریضہ انجام دیں۔ دس بیس برسوں میں بہتر نتیجہ سامنے آئے گا۔ کوئی کام اچانک نہیں ہوتا۔ ہر کام کو ہدف اور ٹارگیٹ بنا کر کرنا چاہئے۔ ضروری نہیں کہ ہر کام کا فائدہ و نتیجہ فوری نکل آئے۔ مثبت سوچ اور دیرپا کام وقت طلب ہے، مگر دیرپا ہوتا ہے۔ دوررس ہوتا ہے۔ مفاد و منفعت سے پرے ہوکر کام کرنا چاہئے۔ زمانہ در

زمانہ یاد کرے گا۔ نسل در نسل یاد کرے گی۔

یاد رکھیئے، عزت، شہرت، دولت خدا کی توفیق سے ملتی ہے۔ انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ملتا۔ کسانوں، مزدوروں، غریبوں، بے کسوں، مظلوموں کا خون نہ چوسیئے۔ سماج کو پائیدان بنا کر، انسانیت کی مچان پر بیٹھ کر عیش کوشی نہ کیجئے۔ زرکشی، ذخیرہ اندوزی نہ کیجئے۔ اقتدار کے نشہ سے چور ہو کر سگریٹ کا دھواں نہ اڑائیے۔ خوب یاد رکھئے، میدانِ محشر میں خدائے قہار کو جواب دینا ہے۔

دینی جلسے : پہلے یہ جلسے 'جلسۂ سیرت النبیؐ' اور اجلاس کے عنوان سے ہوتے تھے اور یہ تین روزہ، پانچ روزہ ہفت روزہ ہوتے تھے۔ مقررین، واعظین بھلے اور خداترس ہوتے تھے۔ عوام و خواص کی اصلاح ہوتی تھی۔ لوگوں میں جذبۂ عمل پیدا ہوتا تھا۔ معاشرہ پاکیزہ اور ستھرا رہتا تھا۔ بچے جوان بے راہ رو نہیں ہوتے تھے۔ عورتیں بے پردہ نہیں ہوتی تھیں۔ اب یہ جلسے کانفرنس میں بدل گئے ہیں۔ سارے مولینا، علامہ اور سارے علامہ مفتی بن گئے ہیں۔ آئے دن جلسے ہوتے ہیں۔ محلّہ محلّہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر ہوتے ہیں۔ باہر سے مقررین بائی پلین آتے ہیں۔ گھنگرج تقریریں ہوتی ہیں۔ خوب نعرے لگتے ہیں۔ اصلاح خاک نہیں ہوتی۔ نہ کوئی کچھ بدلتا ہے۔ نہ کوئی کچھ سمجھتا ہے۔ سرمایہ اور وقت بے دریغ خرچ ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ فائدہ ہوتا ہے۔ تو پھر قوم اصلاح پذیر کیوں نہیں ہوتی۔ مسجدیں کیوں نہیں بھرتیں۔ برائیاں گھٹنے کے بجائے بڑھتی کیوں ہیں۔ شرح بندگی کا ریشو اوپر کیوں نہیں اٹھتا۔ معلوم ہوا۔ یہ جلسے بطورِ فیشن، رسم اور تسکین نفس کے لیے ہوتے ہیں۔ نام و نمود اور شہرت و دولت کے لیے ہوتے ہیں۔ میں جلسوں کا مخالف نہیں، جلسے کیجئے، با مقصد کیجئے، مفید و مؤثر کیجئے۔ دینی خدمت سمجھ کر خدا اور سول کی رضا جوئی، اخروی سامان سعادت کے لیے کیجئے۔ بچوں اور جوانوں کو دھماچوکڑی سے باز رکھیئے۔ عورتوں کو بے پردگی، بے حیائی سے بچائیے۔ عبدیت و عبودیت کا ثبوت دیجئے۔ نعت خواں حضرات نعت خوانی کو جس طرح فیشن بنا رہے ہیں۔ انہیں اس فیشن پرستی سے روکیئے۔ آدابِ نعت کا خیال رکھیئے۔ خوب خیال رکھیئے، خدا و رسول کی ذرا سی خوشنودی دنیا کی ساری شہرت و دولت سے زیادہ بہتر اور بڑھ کر ہے۔

پیروں کے دورے : سیمانچل بشمول دیناج پور میں پیروں کے دورے ہوتے رہتے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی پیر علاقہ میں موجود ہوتا ہے۔ اتنے دورے ہوتے ہیں۔ لگتا ہے دورہ پڑ

جائے گا۔ مگر خانقاہی نظام کے اثرات جو ماضی میں تھے۔ ان کا عشر عشیر بھی آج نہیں ہے۔ سیمانچل کوئی چراگاہ نہیں، نرم چارہ نہیں کہ صرف چرا جائے، چگا جائے، وہاں کے کچھ مسائل بھی ہیں۔ ضروریات بھی ہیں۔ ان کی طرف دھیان نہ کوئی مقرر دیتا ہے۔ نہ پیر دیتا ہے۔ بس آندھی بن کر آئے، طوفان بن کر گزر گئے۔ کوئی مقرر یا کسی پیر نے آج تک اس خطہ میں نہ کوئی مسجد بنائی، نہ کوئی ادارہ قائم کیا۔ نہ کوئی تنظیم تحریک چلائی۔ نہ کوئی مضبوط خانقاہی نظام برپا کیا۔ روحانی اثرات و تاثیرات سے ہمیں انکار نہیں۔ مگر علاقائی مسائل و معاملات اور ضروریات سے ہم آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ سیاسی لیڈروں نے جس طرح خطہ کو ووٹ بینک بنا رکھا ہے۔ اسی طرح مقرروں، پیروں نے بھی خطہ مذکورہ کو مرید بینک اور تقریر بینک بنا کر رکھا ہے۔ نہایت ادب و خلوص سے ہم گزارش کریں گے۔ حالات کی نبض پہ ہاتھ رکھ کر وہاں مضبوط ادارے قائم کریں۔ پیرِ طریقت مولینا سید جلال الدین کچھوچھوی نے پنڈوہ شریف میں ایک زبردست ادارہ قائم کیا ہے، جو اور پیروں کے لیے نمونہ ہے۔ میری یہ گزارش ہے کہ آپ مسجدیں بنوائیں۔ تنظیم و تحریک چلائیں۔ اسکول کالج، اسپتال کھولیں۔ طبی امداد، کفالت بیوگاں، جوان بچیوں کی شادی، غریب طلبہ کی مالی سرپرستی، لاوارث غریب خاندانوں کی خانگی ضرورت کی تکمیل کی اسکیمیں بنائیں اور چلائیں۔ علمی، تعلیمی روحانی تربیت کریں۔ حلقہ ذکر قائم کریں۔ اطفال، طبقہ نسواں کی بہتری کے لیے تجاویز پاس کریں۔ ہوس پرستی، مال پرستی، خودغرضی، گھریلو جھگڑے، آپسی چپقلش، زمین جائداد کے مقدمات، شادیوں میں اصراف، بغض، حسد، جلن، غیبت، چغلخوری، بدعملی، بدکرداری، فحش گوئی، فالتو گوئی، فالتو وقت گزاری، آپسی تنازعات سے بچنے کی سخت تاکید کریں۔ نماز کا پابند بنائیں، روزے رکھوائیں۔ زکوۃ ادا کروائیں، عشر نکلوائیں، میل محبت کا ماحول قائم کروائیں۔ اپنے مریدوں کو لے کر ہر وقت کی نماز محلہ کی مسجد یا بستی کی مسجد میں ادا کریں۔ وہیں تھوڑا نکال کر دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام کریں۔ فجر اور عشا میں کثیر مجمع اکٹھا کریں۔ وہیں تقریر شروع کر دیں۔ تقریری انداز نہ ہو، وعظ و نصیحت کا پیرایا اپنائیں۔ سارا فیض بیٹھک، گھر اور قیام گاہ میں ہی نہ لٹائیں۔ سیمانچل ہی نہیں، پورے ملک میں، بستی بستی، گاؤں گاؤں، شہر شہر اگر پیران کرام روحانیت سے بھرپور یہ تربیتی خانقاہی نظام برپا کریں۔ تو اہل سنت میں اچانک ایک خوشگوار انقلاب آجائے گا۔ انشاءاللہ

ایک ضروری بات یہ کہ پیر کی جگہ دیوان خانہ، مردان خانہ، بیٹھک ہے۔ نہ کہ زنان خانہ، شرعی سماجی اخلاقی کسی طرح درست نہیں کہ پیر زنان خانہ میں قیام کرے۔ سوئے، بیٹھے، نہ عورتوں کو قریب بٹھائے۔ نہ ان کے سروں پر ہاتھ رکھے اور نہ ان کے بیچ بیٹھ کر گپ شپ کرے۔ یہ قطعی جائز نہیں۔ پیر اور مریدہ کا رشتہ بلا شبہ غیر محرم کا ہے۔ تو پھر یہ خلط ملط کیوں؟ جب خود نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم، جو پیرِ پیراں، میرِ میراں، امیرِ کاروانِ اسلام، قائدِ انقلابِ اسلامی، فتح بابِ نبوت، ختمِ دورِ رسالت ہیں۔ نہ بے محابا عورتوں میں گئے، نہ بیٹھے، نہ ان کو سامنے آنے دیا۔ تو پھر آج یہ پیروں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اس نکتہ کو سمجھئے اور سعادت دارین حاصل کیجئے اور ہاں۔ پیرانِ کرام، خطباعظام اور ائمہ مساجد عورتوں کو روکیں، جلسوں میں جانے سے، عرسوں میں شرکت کرنے سے، بازاروں اور بھیڑ بھاڑ والی جگہوں سے۔ پیرانِ کرام روحانی پیشوا ہیں، خطباء عظام مذہبی پیشوا ہیں۔ ائمہ مساجد معاشرہ کی جان ہیں۔ ہر طبقہ اپنی شرعی ذمہ داری پوری کرے۔ بنیادی موضوعات پر گفتگو کریں۔ لفاظی اور ہوائی فائرنگ نہ کریں۔ وضو، نماز، طہارت، نجاست، بچوں کی تربیت، نوجوانوں کی اصلاح، سماجی برائیوں کا خاتمہ، اولاد کی تعلیم، آپسی میل جول، اخوت و محبت، رواداری و مساوات، عدل و انصاف، اصولِ شرع کی پاسداری، بیع وشرا کے مسائل، رزقِ حلال کی تلاش، صدق مقال کی تاکید، جھوٹ، غیبت، حسد، بغض کی تباہ کاریاں، نماز و تلاوت کے فضائل، نماز چھوڑنے کی سزا، قربِ قیامت کی نشانیاں، قبر وحشر کی ہولناکیاں، تصور آخرت کا گہرا شعور، بے پردگی کی سزائیں، تعلیم، تجارت، تبدیلی، ترقی، تعمیرِ انسانیت، بگڑے سماج کی تشکیلِ جدید، خدا کی طرف پلٹ آنے کی دعوت، سیرت النبی، سیرتِ صحابہ، سیرتِ صحابیات، سیرتِ بزرگانِ دین، خلفاءِ راشدین کے زریں اخلاقی اصول، ان کی عبادتوں کے انداز وغیرہ جیسے عنوانات پر بھرپور مطالعہ کر کے مؤثر اسلوب، ناصحانہ مصلحانہ لہجہ میں دھیرے دھیرے، ٹھہر ٹھہر کر مثالوں سے سمجھا کر گفتگو کریں۔ یہی آپ کی شرعی ذمہ داری ہے۔ ملی مذہبی فریضہ ہے۔ ہر جگہ بے موقع، بے محل ردوتعاقب نہ کیا کریں۔ تنفر نہ پھیلائیں۔ حسنِ تکلم سے عمدہ تاثر پیدا کریں، ہاں جب موقع ہو برمحل بولیں۔ برجستہ رد کریں۔ ایک ماہر وکیل کی طرح جرح بھی کریں۔ حاذق حکیم کی طرح جراحت بھی کریں۔ مگر انداز پھوہڑ نہ ہو، مؤثر ہو۔ ہمدردانہ ہو۔ تاکہ اصلاح واظہارِ حق ہو۔

حاصلِ کلام

دینی دعوت کا آغاز وارتقا : پانچویں صدی ہجری میں یہاں اسلام آیا۔ صوفیا اور مشائخ نے کام کیا۔ چھٹی اور ساتویں ہجری میں سہروردی بزرگوں نے یہ دعوت عام کی۔ ساتویں آٹھویں ہجری میں چشتی نظامی اکابر نے یہ تحریک خوب پھیلائی۔ نویں دسویں ہجری میں اس دعوت کی باگ ڈور سادات بازبیریا، سادات مرزا پور کے ہاتھوں آئی۔ گیارہویں صدی ہجری میں یہ پرچم حضرت بندگی چمن بازار نے بلند کیا۔ فوجدارانِ پورنیہ اور نوابین انہیں کے دامن گرفتہ تھے۔ بارہویں صدی ہجری میں یہ کام شاہ حفیظ الدین رحمان پوری نے آگے بڑھایا۔ تیرہویں صدی ہجری میں یہ قیادت علامہ ظل الکریم بردوانی اور علامہ قادر بخش سہرامی نے سنبھالی۔ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں اس قیادت کا سہرا شاہ محمد یوسف رشیدی کے سر رہا۔ نصف آخر کی نمائندگی شیخ الاسلام ضیغم الملت زعیم العلما شاہ غلام محمد یسین رشیدی نے کی اور بھرپور نمائندگی کی۔

اور اب یہ نمائندگی وترجمانی کئی حضرات کے سر ہے۔ نصیر ملت شاہ محمد نصیر الدین چنامنا نے اپنی جولانگاہ اپنے علاقہ کو بنایا اور خوب کام کیا۔ علما کی فوج تیار کی۔ مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی شمس العلما بن کر ملک کے آفاق پر چمکتے رہے۔ باصلاحیت علما کی ٹیم قوم کو دی۔ علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی امام علم وفن بن کر آفاق عالم پر چھا گئے۔ قابل ترین علما وفضلا کے قافلے تیار کئے۔ حضرت مفتی محمد عبیدالرحمٰن رشیدی سقراطِ عصر ہیں، بقراطِ دہر ہیں۔ وقت کے رازی وغزالی بھی ہیں۔ سارے ملک میں ان کے کارنامے پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی فقیہہ النفس ہیں، مناظرِ اہلِ سنت ہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ گنگا جمنا کی طرح بہتا ہوا ہے۔ پھیلتا ہوا ہے۔ خانقاہ ومدرسہ تکیہ رحمان پور کو استحکام انہی نے بخشا۔ دار العلوم حنفیہ کھگڑا کی مرکزی حیثیت انہی کے دم قدم سے قائم ہوئی۔ جامعہ نوریہ شیام پور مالدہ میں قائم کیا۔ اور اب کشن گنج میں زمین کا بڑا رقبہ لے چکے ہیں۔ تعمیری کام جاری ہے۔

حضرت مفتی حسن منظر قدیری اپنی گوناگوں صفات میں منفرد ہیں۔ تعلیم، تحریر، افتاء شاعری، ہر طرح کی خدمت ہے۔ حضرت مفتی محمد ایوب مظہر رضوی جواب خدا کو پیارے ہو گئے، خدا ان کے مرقد پر رحمت وغفران کی بارش برسائے، مفکر اسلام بن کر ایشیا سے افریقہ تک پھیل گئے تھے۔ تدریس وفتویٰ نویسی کا لوہا ملک سے منوایا۔ خطابت کا جوہر، زباندانی کا شعور ہر ایک کو مسلم تھا۔

انجمن اسلامیہ کشن گنج قائم شدہ ۱۹۰۷ء ہماری تھی۔ یہ پورے بہار کی سب سے پہلی انجمن تھی، لیاقت حسین مختار نے قائم کی تھی۔ آج وہ ایک مضبوط مالدار تعلیمی ادارہ ہے۔ غیروں کے قبضہ میں ہے۔ انجمن اسلامیہ پورنیہ یہ بھی ہماری تھی۔ لائن بازار کی خزانچی مسجد ہماری تھی۔ آج سے بیس سال پہلے ہمارا امام تھا۔ دارالعلوم لطیفی کٹیہار ہمارا تھا۔ زمین اور سارا سرمایہ اہل سنت کا لگا تھا۔ کٹیہار میڈیکل کالج، اسپتال کا سربراہ کٹیہاری نہیں، ڈاکٹر سید حسن نے کشن گنج میں 'انسان اسکول' قائم کیا۔ تعلیمی انقلاب برپا کیا۔ یہ بھی کشن گنجوی نہیں۔ کشن گنج میں 'مرواڑی کالج' ہے۔ زمین، علاقہ، اساتذہ، طلبہ سب کشن گنج کے اور کشن گنج میں مرواڑی دو فیصد بھی نہیں، مگر کالج ان کے نام کا۔ بہادر گنج میں جو کالج ہے۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔ نام 'نہرو کالج'۔ نام وام سے ہمیں کوئی غرض ہے، نہ اعتراض، کام تو ہمارا ہی ہوتا ہے۔ فائدہ تو ہمیں کو ملتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سیمانچل کے علما اور دانشور نے آخر کیا کیا۔ یہ ہوش کا ناخن کب لیں گے۔ بیدار کب ہوں گے اور وقت کی رفتار کا ساتھ کب دیں گے۔ حالات کی نبض بیٹھ رہی ہے اور یہ سورہے ہیں۔ بس یہ بہت تشویشناک امر ہے۔

یہ تو بہت پہلے ہونا تھا۔ خیر کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ مسلم یونیورسٹی کی شاخ ہزار دقتوں کے بعد کشن گنج میں بن رہی ہے۔ حالیہ اخباری رپورٹ کے مطابق سنٹرل گورنمنٹ نے ملک بھر میں پانچ یونیورسٹیوں کی تجویز پاس کی ہے۔ ان میں ایک سیمانچل میں بننے والی ہے۔ یہ حوصلہ افزا بات ہے۔ ان دو اداروں سے وہاں کی شرح خواندگی یقیناً بڑھے گی۔ تدریسی وغیر تدریسی اساتذہ و عملہ کی ہزاروں کی تعداد میں بحالی ہوگی۔ تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کا مسئلہ بھی حل ہوگا۔ جہالت پس ماندگی پسپا ہوگی۔ بے کاری اور بے روزگاری اپنی موت آپ مرے گی۔

جب سے بعض مدارس کا الحاق مدرسہ بورڈ پٹنہ سے ہوا ہے۔ مدارس کے جسم سے تعلیمی روح نکل گئی ہے۔ کسی بھی مدرسہ میں با قاعدہ تو دور کی بات، بے قاعدہ بھی تعلیم نہیں ہوتی۔ جب ان مدارس میں ملازمت کرنے والے سب نہیں مگر اکثر علما جھوٹ بولیں۔ رشوت دیں اور لیں، تو پھر دین کا خدا حافظ، سیمانچل میں ضرورت بھر اسکول کالج موجود نہیں، خال خال دور دور جو بھی ہیں۔ ان اسکولوں اور کالجوں میں بھی تعلیم و تدریس کا کوئی سسٹم نہیں۔ بنچ، تپائیاں، مرثیہ خواں ہیں۔ کلاس روم میں گرد جمی ہے۔ نتیش کمار حکومت نے آنگن واڑی، بال واڑی کھلوائی ہے۔

کھان پکوان، کھچڑا، سواری ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی ہے۔ مگر معاملہ وہی ڈھاک کے تین پات، کھچڑا اور پکوان کے نام پر جو گرانٹ آتی ہے۔ ان کا ایک آنہ استعمال ہوتا ہو، تو ہوتا ہو۔ بقیہ رقم کہاں ہضم ہوتی ہے۔ خدا معلوم۔ آنگن واڑی، اسکول، کالج سے لے کر مدارس تک یہی حال ہے۔ غیر مسلم اساتذہ وانتظامیہ سے گزارش ہے۔ کھانا ہے، تو کھائیں، مگر حسن کارکردگی کا مظاہرہ بھی تو کریں۔ پڑھائیں بھی تو۔ تب نا دیش ترقی کرے گا۔ مسلم اساتذہ وانتظامیہ سے مؤدبانہ گزارش ہے۔ ذرا اپنا ضمیر کو جگائیں۔ آپ حیوان و جانور یا کنکر پتھر نہیں، کہ بعد موت کچھ نہیں ہوگا۔ آپ انسان ہیں، وہ بھی مسلمان اور اشرف المخلوقات۔ امانت وصداقت آپ ہی کا وصف ہے۔ اپنی ذمہ داری اور دیانتداری کا ثبوت دیں۔ طلبہ کی زندگی سے کھلواڑ نہ کریں۔ قومی سرمایہ کا استحصال نہ کریں۔ خوب یاد رکھیں۔ کل قیامت میں کڑا سوال ہوگا۔ آپ کو جواب دہ ہونا ہوگا۔

عصری تعلیم یافتہ افراد: دین کی فکر اور ملت کی بقا، یہ صرف علمائے دین کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری ملت کے ہر فرد کی ہے۔ اپنے آپ اور دین وملت کا مسئول ہر شخص ہے۔ عصری تعلیم یافتہ افراد، جو معاشی اعتبار سے قدرے بہتر پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے، ہر کام علمائے کرام کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ یہ بہر صورت بہتر ہے، نہ مناسب ہے۔ یہ افراد گورنمنٹ کی ملازمت کرتے ہیں یا پھر اچھی تجارت اور کاروبار کرتے ہیں یا پھر سیاسی سماجی کارکنان بنتے ہیں۔ لیکن جتنی فکر وہ اپنی ملازمت، تجارت یا سیاست کے بارے میں کرتے ہیں، اتنی فکر دین، ملت، امت، جماعت کے تعلق سے نہیں کرتے۔ بہت سے افراد پٹنہ، علی گڈھ، دہلی کی یونیورسٹیوں، کالجوں میں پڑھاتے ہیں اور خوشحال زندگی گزارتے ہیں۔ یہ اگر ان اداروں میں زیر تعلیم سیمانچل کے طلبا کی یونین بنا دیں، خود ان کی سرپرستی کریں اور انہیں دین و مذہب اور ملک و وطن کی خدمت کے لیے تیار کریں۔ عملی تجربہ کرائیں۔ کچھ فنڈ لگے، تو لگائیں بھی۔ کچھ جیب خاص سے، کچھ پبلک ڈونیشن سے، تو بہت سارا کام سرانجام پاسکتا ہے۔ یہی نوجوان، جن کے ہاتھوں میں آنے والا وقت ہے۔ پہلے سے تیار رہیں گے۔ ذہن سازی اور عملی تجربہ ہو کے رہے گا۔ تب وہی کل ہمارے سپاہی، سالار، سپہ سالار بن جائیں گے۔ پتھر جب تک پتھر ہے، خس وخاشاک کی مثل ہے۔ جب ذرا شیپ، شکل دے دی گئی۔ تراش خراش کردی

گئی۔ تو پھر وہ شوروم، نگار خانہ کی زینت بن جاتا ہے۔ سیمانچل کے ٹیچرس، لکچرز، پروفیسرز، ڈاکٹرز اور بیرسٹرز اس نکتہ پر غور کریں۔ یہ کام وہ مذہبی فریضہ، دین وشریعت کی خدمت سمجھ کر کریں اور ضرور کریں۔ ایک آدھ عشرہ میں بھاری تبدیلی پیدا ہوگی۔

جو افراد تجارت یا کاروبارِ سیاست سے وابستہ ہیں۔ وہ بھی کارِ دین سے لا پرواہ نہ ہوں۔ اپنے اپنے دائرہ اثر و رسوخ میں اپنی ملی مذہبی ذمہ داری کا ثبوت دیں۔ یاد رہے۔ اکیلے خوش رہنا، خوش حال ہونا، بازار سیاست کا کھنکتا سکہ بن کر چمکتے رہنا۔ کامیابی نہیں، معیارِ زندگی نہیں، کامیابی جب ہے کہ آپ دین پر عمل کریں، دین کو چمکائیں۔ ملت کو چمکائیں۔ وطن و ملک کو چمکائیں۔ آپ خوش حال رہیں۔ معاشرہ نڈھال رہے۔ سماج وسوسائٹی زبوں حال رہے۔ پھر یہ خوش حالی کس کام کی۔ یہ مالداری اور سرمایہ کاری کس مرض کی دوا ہے؟ یہ سیاست کی گرم بازاری یا کالا بازاری کس بات کی۔ ارے ہم چودھویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی کے تپتے ماحول میں جیتے ہیں۔ تھوڑی سی مسلمانی۔ اس میں بھی آنا کانی۔ یہ کیا تک کی بات ہے؟

اسلام کا شورائی نظام: مذہب اسلام شورائیت پسند ہے۔ اس کی فطرت میں اجتماعیت ہے۔ وحدت واتفاق ہے۔ نبی کریم، خلفاءِ راشدین، صحابۂ کرام کی سیرت میں یہ نمونہ جلی خط میں موجود ہے۔ زمان ومکان کی دوری نے ہمیں بہت دور پھینک دیا ہے۔ نہ شورائیت ہے، نہ شورائیت پسندی، نہ اجتماعی قوت ہے، نہ اتحاد واتفاق کی رمق، ہم بکھر گئے ہیں۔ ٹوٹ پھوٹ کر چیتھڑے چیتھڑے ہوگئے ہیں۔ شوکت، سطوت، ہیبت، رعب وداب سب ہم سے روٹھ گیا ہے۔ نتیجہ میں ذلت، خواری، بے وزنی، نکبت، ادبار ہمارا مقدر بن گیا ہے۔ اگر عظمتِ رفتہ اور شوکتِ برگشتہ کی بازیابی چاہئے۔ ملک وملت میں باوقار زندگی چاہئے۔ تو ہمیں اسلام کا شورائی نظام واپس رائج کرنا ہوگا۔ اجتماعی ذہن پیدا کرنا ہوگا۔ بکھرے خوشے چن چن کر خالی کھلیان بھرنا ہوگا۔ تنکے چن چن کر آشیانہ پھر سے تعمیر کرنا ہوگا۔ بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوئے حرم بلانا ہوگا۔

یہ بہت پتہ ماری کا کام ہے۔ دقت طلب اور دشوار کن کام ہے۔ مگر بگڑے حالات کے ہاتھوں اپنے آپ کو حوالہ کر دینا، نہ عقلمندی ہے، نہ دانشمندی۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ ٹوٹے شیشوں، بکھری کرچیوں کو جمع کر کے دوبارہ پگھلا کر پھر آئینہ ڈھالنا ہوگا اور یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں۔ آئینہ

سازی اور حنا بندی ہنر مند ہی کرتے ہیں۔ ہنر مند، دردمند افراد ملت یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔ دیکھئے۔ موسم خزاں میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ موسم بدلتے ہی پھر سے نئے برگ و بار آجاتے ہیں۔ بدلتے موسم کے حساب سے پرندے نئے نئے نشیمن بناتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ اسلامی نظام بار بار بکھرا ہے، دینی شیرازہ منتشر ہوا ہے۔ پھر سے یکجا ہو گیا ہے۔ مجتمع ہو گیا ہے۔ تلخ حالات سے مایوس نہ ہوں۔ مایوسی کے بطن سے امید و یقین کا سورج طلوع ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی ذات سے امید ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے۔ بکھری قوت، ٹوٹی شوکت پھر سے بحال ہو جائے۔ ہم یکجا و متحد ہو جائیں۔ وقت کی پکار ہے کہ ہم منظم و مجتمع ہو جائیں۔ پنچایت، تحصیل، ضلع اور ملکی سطح پر ہم ایک ہو جائیں۔ ایک پرچم تلے جمع ہو کر اپنا کام شروع کر دیں۔

تنظیمی ڈھانچہ: ایک کہاوت ہے۔ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ اس پر غور کیجئے۔ ریت، کنکر، پتھر، تنکا، جب یہ الگ الگ ہے۔ پاؤں کی ٹھوکر میں ہے۔ جوتیوں کی نوک پر ہے۔ جب یہ یکجا ہوتے ہیں۔ تو ریت تودہ بن جاتی ہے۔ کنکر پتھر سے دیوار اور پہاڑ بنتا ہے۔ تنکا آشیانہ بن جاتا ہے۔ ہمارے علاقہ میں یہ کہاوت بہت رائج ہے۔ دس کی لاٹھی ایک کا بوجھا۔ بلا تمثیل دیناج پور والوں سمیت اہل سیمانچل سے سفارش کروں گا کہ وہ تنظیم قائم کریں۔ بستیوں کو پنچایت، پنچایت کو تحصیل سے اور تحصیل کو ضلع سے جوڑ دیں۔ ہر سطح کی کمیٹی بنائی جائے۔ نیچے والی کمیٹی اوپر والی کمیٹی کی اطاعت کرے اور مرکزی کمیٹی، جو ضلعی ہوگی۔ وہ سب کی قیادت کرے۔ افراد کو خانوں میں تقسیم کیا جائے۔ جو جس پوزیشن کے ہوں۔ ان سے اسی طرح کام لیا جائے۔ مثلاً علما کی الگ تنظیم ہو، دینی طلبہ کی الگ تنظیم ہو۔ اسکول کالج کے طلبہ کی الگ تنظیم ہو۔ عوامی سطح کی الگ کمیٹی ہو۔ تجارت پیشہ اور ملازمت پیشہ افراد کی الگ کمیٹی ہو۔ یہ کمیٹی سرمایہ کی فراہمی میں ہمدردانہ رول ادا کرے۔ غور و فکر کر کے باہم رائے مشورے سے نہایت خلوص و خاکساری سے کام کیا جائے۔ پھر آگے کی راہیں خود بہ خود روشن ہوتی رہیں گی اور طرح طرح کا کام ہوتا رہے گا۔ کوئی کمیٹی مدارس کا خیال رکھے۔ کوئی کمیٹی مساجد کی دیکھ بھال کرے، کوئی کمیٹی دینی عصری غریب طلبہ کی اسکالرشپ جاری کرے، کوئی کمیٹی حفظانِ صحت کا شعبہ سنبھالے۔ کوئی کمیٹی یتیم و بیوہ کی کفالت کی کوشش کرے، کوئی کمیٹی جوان بچیوں کی شادی کا انتظام کرے۔ کوئی کمیٹی جلسے

جلوس، گیارہویں، بارہویں کا پروگرام، کوئی کمیٹی لائبریری اور اسٹڈی سرکل قائم کرے، کوئی ادبی ذمہ داری سنبھالے، کوئی کمیٹی لٹریچر شائع کرے، کوئی کمیٹی اخبار جاری کرے، کوئی کمیٹی سیاسی امور دیکھے۔ غرض ہر طرح ملی مذہبی رفاہی فلاحی کام کیا اور کرایا جائے اور مل جل کر کام کرنے کی ذہنیت کو سراہا جائے۔ مفت خوروں، کمیشن خوروں، تخریب کاروں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ ایسے عناصر نے ہر مقام کے سماج کو کھوکھلا کمزور کر کے رکھ دیا ہے۔ برائیوں کا خاتمہ اور جرائم کا سدِ باب ہونا چاہئے۔ نیکیوں کا فروغ اور اچھائیوں کا عروج ہونا چاہئے۔ جہیز کے ناسور کو ختم کیجئے۔ طلاق کے معاملات کو حسن تدبیر سے نپٹایئے۔ دھیان رکھئے۔ کوئی گھر اجڑنے نہ پائے۔ زمین جائداد کے جھگڑے اور مقدمہ بازیوں سے ہر حال میں پرہیز کیجئے۔ سودی لین دین اور رشوت کی کالا بازاری سے ایسے بھاگئے، جیسے شیطان اذان سن کر بھاگتا ہے۔

وطن سے باہر جو لوگ رہتے ہیں۔ مثلاً کلکتہ، پٹنہ، دہلی، پنجاب، گجرات، مہاراشٹر، حیدرآباد، بنگلور وغیرہ میں، ہر شہر میں وہ سب مل کر اپنی تنظیم بنائیں۔ جس میں علما، طلبہ، تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ، مزدور اور مالک وسیٹھ سب شامل ہوں۔ لاکھوں لاکھ لوگ مختلف شہروں میں قیام پذیر ہیں۔ روزی روٹی کماتے، کاروبار کرتے ہیں۔ گھر سے وہ بے گھر ہیں۔ پردیس میں مسائل بڑھ جاتے ہیں، خصوصاً کاروباریوں کے اور جن مزدوروں کے۔ پھر یہ کہ باہر آ کر بچے اور جوان بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حیات، موت، دکھ درد، بیماری و علاج، لین دین کے معاملات اور بہت کچھ مسئلے کبھی بگڑ جاتے ہیں، اس طرح کے مسائل و معاملات کا حل مذکورہ تنظیم کرے۔ خدمت خلق کیجئے۔ پیام انسانیت عام کیجئے۔ مظلوموں کی دادرسی کیجئے۔ دکھیاروں کا آنسو پونچھیے۔ مذہب کی وفاداری اور شریعت کی پاسداری کیجئے۔ جماعت اہل سنت کے مرکزی دھارے اور مرکزی تھیم سے بالکل مضبوطی سے جڑے رہیے۔ زکوۃ بہر صورت ادا کیجئے۔ صدقات و خیرات کی عادت ڈالئے۔ یہ بلاؤں کو ٹالتی ہے۔ اپنی پاک کمائی کا کچھ حصہ اپنے غریب محتاج ضرورت مند بھائی بہنوں پر ضرور خرچ کیجئے۔ عثمان بنئے، قارون نہ بنئے۔ یاد رکھیئے۔ تنظیم قائم کرنا ہرگز نہ بھولئے۔ یہ ایک ایسی قوت مؤثرہ نافذہ ہوگی۔ جس کے بہت سے فوائد و اثرات اور مفادات و مصالح ظاہر ہوں گے۔

☆☆☆

سیمانچل کی سرزمین پر ایک تاریخ ساز تحریک کا آغاز

وارث علوم امام احمد رضا غوث زمن تاج الشریعہ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ فخر ازہر



حضرت علامہ

شاہ محمد اختر رضا

قادری ازہری دامت برکاتہم العالیہ

جانشین حضور مفتئ اعظم ہند بریلی شریف کی مبارک آمد پر سیمانچل ایجوکیشن ٹرسٹ کا روحانی تعلیمی اجتماعی فخریہ پروگرام

پروگرام کے مجوزہ مقامات

- سالماری کالج سالماری
- بائسی پرکھنڈ بائسی
- گاندھی میدان ٹھاکر گنج
- راجندر اسٹیڈیم، کٹیہار
- اندرا گاندھی اسٹیڈیم، پورنیہ
- روئی دھاسہ میدان کشن گنج
- بہادر گنج بلاک بہادر گنج
- اسلام پور، دیناج پور

Spectrum Graphics (Mumbai) : 9221340994

سیمانچل سنی کانفرنس

دیدارِ تاج الشریعہ کا زریں موقع

اپیل : تیاری بھرپور کریں۔ اپنی تعداد اور طاقت کا مظاہرہ ایسا کریں کہ سیمانچل کی تاریخ اور تقدیر کا ایک نیا باب کھل جائے۔

نوٹ : ابھی یہ مجوزہ مقامات ہیں۔ تاریخ اور تفصیل کا حتمی اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ انتظار کریں۔

زیر اہتمام

سیمانچل ایجوکیشن ٹرسٹ

کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، ارریہ، دیناج پور

Off : Jamia Ghausiya Taleemul Quran Jama Masjid Saudagar Patti, Kishan Gunj, Bihar.
Mob. : 8434394386 / 9801195072 / 9006012769 E-Mail : simanchaleducationtrust@gmail.com

SEEMANCHAL ACADEMY

Baisi, Purnia